ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۲۲ جون سنہ ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا (رواہ الترمذی)

ترجمہ:۔ ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعجب کے طور پر سوال کیا۔ آپ بھی ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا مگر میں کوئی کلمہ حق کے سوا زبان سے نہیں نکالتا۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ آپ نے اس مختصر جواب میں یہ مسئلہ حل کر دیا کہ نبی فرشتہ نہیں ہوتا۔ وہ بشر کے تمام خواص اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی تربیت نظر ربوبیۃ کے تحت ہوتی ہے اس لئے وہ رضا و غضب اور جد و مزاح کے تمام حالات میں کہیں لغزش نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کسی حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہوتا ہے خوش طبعی اگر لا یعنی اور خلاف واقع یا خفیف حرکات پر مشتمل ہو تو بیشک وہ نقصان کا موجب ہے۔ لیکن اگر کوئی اس غفلت کی حالت میں بھی وقار و متانت اور صدق و حقانیت سے سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہوتا تو یہی اذہانِ کامل کا زیور ہے اب تم میرے اور اپنے مزاح کا موازنہ کرکے دیکھو تمہارا تعجب جاتا رہے گا۔

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا وَاِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ یَھْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکِذْبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو۔ کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کرکر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذّاب پڑ جاتا ہے۔

تشریح:۔ خیر و شر کے دو علیحدہ علیحدہ سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلۂ شر کے آخر میں دوزخ۔ پس کوئی انسان بھی دفعتہً جنّت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اوّلاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنّت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی۔

ترمذی میں مسلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبّر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے۔ آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے۔ جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے۔ یاایھا الذین اٰمنوا کونوا مع الصادقین اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

۳۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَاِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَاِذَا بَرَّ اٰمَنَ فَاِذَا اٰمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْکِذْبُ اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَاِذَا فَجَرَ کَفَرَ وَاِذَا کَفَرَ دَخَلَ یَعْنِی النَّارَ۔

(رواہ احمد)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جنّت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا۔ سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے۔ اور ایماندار ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنّت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس نے پوچھا۔ اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے۔ فرمایا۔ جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

فون نمبر ۶۷۵۴۵

جلد ۸ | ۱۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۷

شرح چندہ

پاکستان و ہندوستان
سالانہ:- گیارہ روپے
ششماہی:- چھ روپے
سہ ماہی:- تین روپے
فی پرچہ:- ۲۵ پیسے

سعودی عرب، ایران، کویت، ملایا
ہانگ کانگ، افریقہ، انگلینڈ
سالانہ:- عام ڈاک سے
۱۸ روپے ۸۷ پیسے
ہوائی ڈاک سے:- ۵۴ روپے

امریکہ:- عام ڈاک سے ۲۴ روپے۔ ہوائی ڈاک سے: ۸۳/۸۰ روپے
بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کیلئے پرچہ جاری نہیں کیا جائیگا۔

صلیبی اقوام اور اسلامی ممالک

عراق کے وزیر اعظم نے کہا ہے کرد باغیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ امریکہ اور برطانیہ سے درخواست کرینگے کہ شمالی عراق میں وہ اپنی فوجیں اتار دیں۔ اخبار "الطہور" نے جنرل قاسم کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے کہ کرد باغیوں کو شمالی عراق میں علیحدہ ملک بنانے کی امید ہے۔ اس کے بعد برطانیہ اور امریکہ اپنی فوج اتاریں گے جیسے کویت میں اتاری تھی۔

(انجام کراچی ۱۵ر جون)

بظاہر یہ ایک معمولی سی خبر ہے۔ مگر درحقیقت امر واقعہ یہ ہے کہ اغیار نے مسلمانوں کی خانہ جنگی، سر پھٹول اور آپس کی رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر ہمیشہ اپنا الو سیدھا کیا ہے۔ بلکہ بارہا ایسا بھی ہوا۔ کہ اختلاف ناپید ہونے کی صورت میں مختلف سازشوں اور چالوں سے مسلمانوں میں اختلافات پیدا کیے گئے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا گیا۔

اسلامی ممالک میں مداخلت بے جا صلیبی حکومتوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ یہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں کہ کب مسلم ممالک میں آپس کی منافرت جنم لے اور یہ اپنا کام نکالیں۔

آج کل مشرقِ وسطیٰ ان کی ناپاک سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ اسرائیل، برطانیہ، اور امریکہ، مصر کے مردِ آہن اور صدر مملکت کو ایک آنکھ نہیں دیکھ بھاتے عراق ان کی دست برد سے نکل کر آزاد پالیسی مرتب کرنے کا خواہاں نظر آتا ہے اور اس کا میلان روس کی طرف ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں امریکی بلاک مشرقِ وسطیٰ میں اپنی گرفت ڈھیلی ہوتی دیکھ کر پیچ پا ہو رہا ہے۔ اُسے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کہیں اُسے سارے مشرقِ وسطیٰ سے ہاتھ نہ دھونا پڑیں۔

اب امریکہ اور برطانیہ اپنا اثر و رسوخ قائم رکھنے کے لئے کسی بہانہ کی تلاش میں ہیں۔ وہ کُرد قبائل کی بغاوت کی آڑ لے کر اپنی فوجیں عراق میں اتارنا چاہتے ہیں — اور اس طرح اپنا تسلط قائم رکھنا از بس ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری طرف روس، عراق سے معاہدہ کر کے مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کی سیاسیات میں دخیل بن چکا ہے۔ خدانخواستہ اگر جنگ چھڑ جائے تو امریکن بلاک عراق کی مخالفت پر مجبور ہوگا۔ اور روس اس کا حلیف ہونے کی صورت میں عراق کا دفاع اپنے اوپر فرض جانے گا۔ اسی طرح عراق روسی فوجوں کے لئے اڈہ کا کام دیگا اور اس کا اثر تمام مشرقِ وسطیٰ پر پڑیگا اور ایران تو گویا عراق اور روس کے درمیان محصور ہو کر رہ جائے گا۔

ایں حالات مسلم ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنی آزاد پالیسی مرتب کریں — غیروں کے تصرّف سے اپنے آپ کو نجات دلائیں۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کا خون اپنی گردن پر نہ لیں۔

آئیے! اپنے ماضی کی طرف لوٹ چلیں اور کچھ بھولی بسری یادوں کو اکٹھا کریں خیر القرون کا دَور ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے درمیان صرف باہمی شکر رنجی ہی نہیں بلکہ فوجی تصادم بھی جنگ صفین کی صورت میں رونما ہو چکا ہے۔

رومی بادشاہ، حضرت امیر معاویہ رضؓ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لڑنے کے لئے اپنی امداد کی پیشکش کرتا ہے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ دنداں شکن جواب دیتے ہیں کہ قیامت تک یادگار رہے گا — آپ نے لکھا:-

"اے رومی کتے! یہ میرا اور میرے بھائی علیؓ کا جھگڑا ہے۔ اگر تو نے سیدنا علیؓ پر چڑھائی کی۔ تو یاد رکھ علی المرتضیٰؓ کی طرف سے لڑنے والا پہلا سپاہی یقیناً معاویہؓ ہوگا"۔

اس جواب نے کفر کے حوصلے پست کر دیئے اور انہیں دوبارہ مسلمانوں کے معاملات میں دخل دینے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

کاش یہی واقعہ ممالک اسلامیہ کے سربراہوں کے لئے سرمۂ چشمِ بصیرت بن سکے — مسلمان اسی سے سبق سیکھیں اور غیروں کے دام تزویر سے بچیں۔ اور اغیار کو جرأت ہی نہ ہونے دیں کہ وہ ہمارے معاملات میں دخیل ہوں۔

آج کا مسلمان تعلیماتِ نبویہ سے دُور ہو چکا ہے۔ اور اللہ سے نظریں ہٹا کر غیروں کے دامن ٹٹولنے کی فکر میں گھلا جا رہا ہے۔ اسی لئے دنیا میں ذلیل و رسوا ہے۔ غیروں کو ریشہ دوانیوں کا موقع مل رہا ہے۔ صلیب پرستوں کی شاطرانہ چالیں کارگر ثابت ہو رہی ہیں اور کلمہ گو مسلمان آپس میں دست و گریبان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔

ہم جانبداری میں ہی نجات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔ عالمِ اسلام کی مشکلات کا حل فقط یہی ہے کہ ہم اللہ کو راضی کریں۔ دامنِ مصطفےٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور کسی بھی قیمت پر ایک ہو جائیں — فی الحال اس سے بہتر کوئی پالیسی نہیں کہ آپس میں متحد ہوں۔ اور دھڑے بازی سے اجتناب کرتے ہوئے قطعی غیر جانبداری کا ثبوت دیں — انشاء اللہ خداوند قدوس غیب سے نصرت کریں گے اور از خود سامانِ ترقی مہیا کریں گے۔

× × × × × × × × ×

میاں غلام حسین صاحب ناظم انجمن خدام الدین لاہور

قرآن مجید قابلِ فہم پیام ہے

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان کائنات میں افضل ترین مخلوق ہے۔ اس کو پردۂ عدم سے صفحۂ ہستی پر لانے سے پہلے اللہ تعالےٰ نے اعلان فرما دیا تھا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ خلیفہ کے معنی امیر، امام، نائب یا قائم مقام ہونے کے ہیں۔ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اور اپنے سے ماتحت تمام مخلوقات کا امام اور امیر ہے۔ ساری کائنات اس کے ماتحت ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے ماتحت اور اس کا غلام ہے۔

یہ ایک بیّن اور واضح حقیقت ہے کہ انسان مخلوق ہے خود اپنا بنانے والا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا بنانے والا کوئی اور ہے خود بخود پیدا نہیں ہوا اس کا پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔ اس کے بنانے میں انسان کے اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں بلکہ پیدا کرنے والے نے جس طرح چاہا پیدا کر دیا۔

انسان نہ فقط جسم کا نام ہے اور نہ محض روح کا۔ بلکہ دونوں کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ اللہ تعالےٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ انسان کی روحانی اور جسمانی ضروریات کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اور ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی صحیح رہنمائی کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک مکمل قانون نازل فرمایا —— تاکہ اس پر عمل کرکے انسان زندگی میں انتہائی کمالات حاصل کر سکے۔ اور اُخروی زندگی میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔ اس مکمل اور جامع قانون کا نام قرآن کریم ہے۔ جو ہر شعبۂ حیات میں انسان کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دیتا ہے۔ اعتقاداتِ صحیحہ کی تعلیم دیتا ہے۔ عباداتِ بدنیہ اور مالیہ کی بجا آوری کا طریقہ بتاتا ہے —— اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی معاملات میں رہنمائی کرتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

یہ جامع اور مکمل قانون اللہ تعالےٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا اور انسانی ذہن کے مطابق مثالیں دے کر تعلیماتِ قرآنیہ سے انسانوں کو روشناس کرایا۔ اس میں سارے تصوّرات، تشبیہات اور استعارات انسانی عقل اور سمجھ کے مطابق استعمال کئے گئے ہیں روحِ انسانی پر جو خدائی پیغام کی حامل ہوتی ہے وہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا جس کے اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتی اور نہ وہ پیام بھیجا جاتا ہے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو کیونکہ ایسا کرنا صریح ظلم ہوگا اور اللہ تعالےٰ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم اللہ تعالےٰ کی شان کے منافی ہے۔

قرآن کریم کے قابلِ فہم ہونے کے متعلق اس کے نازل کرنے والے نے خود ہی فرما دیا تھا وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کے لئے۔ پھر ہے کوئی سوچنے والا۔ اگر کوئی سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ کرے تو قرآن کریم سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے۔ اللہ تعالےٰ کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہیں جو کسی دوسرے کلام میں مل ہی نہیں سکتیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ ہم قرآن سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس کے سمجھنے کے لئے بڑا عالم ہونے کی ضرورت ہے ہم اللہ تعالےٰ کے کلام کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ از خود کتابیں پڑھنے سے نہ کوئی جج بن سکتا ہے نہ وکیل نہ ڈاکٹر اور طبیب۔ ہر علم باقاعدہ سیکھنے سے آتا ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب بننے کے لئے کسی کالج میں اپنی عمر کا معتدبہ حصہ صرف کرنا پڑتا ہے اور ہزارہا روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر ڈاکٹر اور طبیب کی ڈگری ملتی ہے۔ انسانی قانون کو سمجھنے کے لئے بھی کافی عرصہ اور کافی روپیہ درکار ہوتا ہے۔ پھر ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل ہوتی ہے تو کیا قانونِ الہٰی کو سمجھنے کے لئے کسی استادِ کامل کی ضرورت نہیں ہے؟ اپنے گھر میں بیٹھ کر قرآن کریم کا مطالعہ کرنے اور ترجمہ دیکھنے سے جو سمجھ میں آجائے وہی حکم الہٰی سمجھ لیا جائے یہ کتنی بے انصافی ہے۔ دنیا کا ہر فن اور علم سیکھنے کے لئے استاد کی ضرورت ہے۔ اور قانونِ الہٰی کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے کسی ماہرِ فن اور طبیبِ روحانی کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ بغیر استاد کے قرآن کریم سمجھنا تو درکنار صحیح طور پر پڑھنا بھی نہیں آتا۔ قرآن کریم کے آسان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے لئے ارادہ اسباب اور ہمت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم عربوں کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا۔ لیکن وہ بھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر نہ سمجھ سکے۔ تو ہم اس کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

انسان کی زندگی کا نصب العین رضائے حق کا حصول ہے۔

انسان دنیا میں افضل ترین مخلوق ہے اس کی پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے — کہ اللہ تعالےٰ کا بندہ بن کر رہے۔ اپنی ہر نقل و حرکت اور نشست و برخاست میں اپنے منصبِ عبودیت کو سامنے رکھے۔ اور ہر کام میں اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کا پابند رہے۔ ہر چیز اس کی خدمت پر مامور ہے تمام وسائل اس کے قبضہ میں ہیں اور اس کی رشد و ہدائت کے لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم نازل فرما دیا ہے۔ تو پھر انصاف اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جلوت و خلوت میں، صحت اور بیماری میں، خوشی اور غمی میں غرضیکہ ہر حالت میں اپنے بنانے والے کو یاد رکھے۔ اور اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے رکھے۔ اگر ہمیں یہ یاد ہوتا کہ ہم مخلوق ہیں از خود پیدا نہیں ہوئے تھے پیدا کرنے والے نے پیدا کیا تھا۔ تو ہم اپنے خالق کی یاد سے اتنے

مجلسِ ذکر منعقدہ جمعرات ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۶۲ء

جانشینِ حضرت شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی نے مجلسِ ذکر کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔ (نظر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ——— اَمَّا بَعۡدُ

لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اتباعِ سنت

اسلام فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اس لئے اسلام کو دینِ فطرت کہا جاتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت کا کوئی وجود نہیں۔ لا رہبانیت فی الاسلام

بے جا نفس کشی تعلیماتِ اسلامیہ کے خلاف ہے بعض لوگ روٹی نہ کھانے کو کمال قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک شادی سے انکار معراج کمال ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں دنیائے انسانیت سے ہی وحشت محسوس ہوتی ہے اور وہ گھربار، ماں باپ، بیوی اولاد سب سے قطع تعلق کرکے جنگلوں میں جانے کو منتہائے ولایت سمجھ بیٹھتے ہیں ——— مگر اسلام کی تعلیمات اس سے قطعی مختلف ہیں۔ وہ ان تمام تصورات و خیالات کی نفی کرتا ہے۔ وہ انسانوں کو انسانیت کی قدروں سے آگاہ کرتا ہے۔ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیا میں رہ کر دنیا سے اثر پذیر نہ ہونے کو کامیابی قرار دیتا ہے۔

اسلام دنیوی زندگی اور فانی اشیاء میں انہماک اور انہی میں کھو جانے سے اجتناب کرنے کی تلقین ضرور کرتا ہے مگر گھربار، بیوی بچوں، ماں باپ، اعزہ و اقرباء اور دیگر نوعِ انسانی سے قطعی بیگانگی کا کوئی پیغام یقیناً اپنے اندر نہیں رکھتا۔

اسلام دنیا میں رہ کر دنیا سے گریز کی راہ بتاتا ہے۔ کام سب کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر دل اللہ سے لگانے کو کہتا ہے۔ چنانچہ اللہ والوں کا مقولہ ہے۔ دست بکار۔ دل بیار۔ ہاتھ کام میں لگے ہوں اور دل اللہ کی یاد میں شاغل ہو۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔ نہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے بغیر رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی حقوق العباد ادا کئے بغیر نجات کی راہ نکل سکتی ہے۔ اسلام تو یہاں تک کہتا ہے۔ کہ آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے۔ (ولنفسک علیک حق)

پاک اور طیب کھانے نیک انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کا بلاوجہ ترک کرنا اللہ کی ناشکری کے مترادف ہے۔ چہ جائیکہ اسے کمالِ انسانی کا آئینہ دار سمجھا جائے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ مانا جائے۔ کیا خدا کے احکامات کی نافرمانی بھی کسی صورت میں باعثِ نجات ہو سکتی ہے؟

درحقیقت شریعتِ اسلامیہ جس چیز کو جائز قرار دے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز ہے ——— یہود و نصاریٰ محض اسی لئے گمراہ ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق قوانین خداوندی کو بدل ڈالا تھا۔ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام اور حرام اشیاء کو اپنے اوپر حلال ٹھہرا لیا تھا۔

بدقسمتی سے یہی سرکشی آج جڑ پکڑتی نظر آ رہی ہے۔ خداوند قدوس ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے آمین

آج کل جو شخص شریعت کی زیادہ مخالفت کرے اُسے اونچے درجے کا ولی خیال کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ آقائے نامدار جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی کرنے والا شخص کسی صورت میں مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہو ہی نہیں سکتا ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ‏ ‏ ‏ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اللہ تعالےٰ ہمیں متبع سنت بننے اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بزرگانِ محترم: آپ خوب واقف ہیں کہ کلمہ طیبہ دینِ حق کا پہلا اور بنیادی رکن ہے۔ یہ بھی اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ دامن رسول اللہؐ کو تھامے بغیر انسان خدا تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (ابن ماجہ و نسائی) اذکار میں سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے بخاری و مسلم میں ہے کہ ایمان کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں سب سے افضل اور اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونا ہے۔

کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں ایک لا الٰہ الا اللہ اور دوسرا محمد رسول اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ منزل مقصود ہے اور اس منزل کا راستہ دکھانے والے، رہنمائی کرنے والے اور منزل مقصود تک پہنچانے والے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مطلوب و مقصود ذاتِ خداوندی ہے اور اس گوہر مراد تک پہنچانے والے ہمارے ہادی پیشوا، آقا اور مولا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا راستہ اختیار کئے بغیر کوئی شخص منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ کلمہ کا مفہوم ہی یہی ہے کہ خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذاتِ گرامی ہے۔ اور آپ کا اتباع ہی دینِ خداوندی کا حاصل ہے

مسند امام احمد میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو! اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے رہا کرو"۔ بعض صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم کس طرح اپنے ایمانوں کو تازہ کریں؟" حضورؐ نے فرمایا "لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو"۔

تمام تعلیمات اسلامیہ کا حاصل یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ خدا کے سارے انبیاء علیہم السلام نے اسی کی تبلیغ کی۔ تمام اہل اللہ بھی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اسی کی تلقین اپنے متعلقین کو کرتے ہیں۔ اور عقیدہ پختہ کراتے ہیں کہ ماسوا اللہ ہر چیز کی نفی کرکے فقط اللہ کا اثبات کیا جائے۔ اُسی کے آگے دستِ سوال دراز کیا جائے۔ اُسی کو نفع نقصان کا مالک تصور کیا جائے۔ مشکلات اور کٹھن مراحل میں صرف اُسی کو امداد کے لئے پکارا جائے اُسی کے آگے سرِ نیاز جھکایا جائے اور اسی کے سامنے اپنی حاجات پیش کی جائیں۔

ہم بھی سلسلۂ قادریہ کے اہل اللہ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق ہر جمعرات کو ذکرِ جہر میں ایک ہزار مرتبہ پہلے لا الٰہ الا اللہ ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر کے ہاں تو مجلس ذکر ہر روز ہی منعقد ہوتی تھی مگر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے مصروفیات کی بناء پر صرف جمعرات ہی کا دن مقرر کر رکھا تھا ویسے متعلقین کو دوسرے اذکار کے علاوہ اپنی اپنی جگہ ہر روز اس ذکر کی اجازت بھی دیتے تھے۔

اللہ عزوجلہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دُور دراز سے سفر کرکے سینکڑوں اشخاص اس مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور مغفرت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور حدیث آپ بارہا حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سن چکے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں کثرت ذکر کی توفیق دے۔ کثرتِ ذکرِ الٰہی کے باعث قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور یادِ خداوندی کا ایک بلب روشن ہو جاتا ہے۔ جب تک انسان پوری طرح متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔ اور سوائے اس کے کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ بلب روشن رہتا ہے اور جب کبھی غیر اللہ کی طرف رغبت ہوتی ہے وہ دیا فوراً بجھ جاتا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص نے یادِ الٰہی میں کافی اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔ اور اس کے قلب

(باقی صفحہ ۶ پر)

بے اعتنائی نہ برتتے اور اس کے نازل کردہ احکام کو اس طرح پس پشت نہ پھینک دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ ہر شعبۂ حیات میں اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔

قرآن مجید کی تعلیم کا اثر

قرآن کریم نامۂ خدا ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس آیا ہے۔۔۔ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد صرف تلاوت ہی نہیں بلکہ عمل بھی ہے۔ صرف تلاوت سے مقصد پورا نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان کے اعمال و اقوال پر کوئی نمایاں اثر پیدا ہوتا ہے۔ جو پڑھتا ہے اور عمل نہیں کرتا اُس کی مثال اس غلام کی ہے جس کے پاس اس کے آقا کا خط آئے۔ جس میں اس کے آقا نے کوئی ایک کام کرنے کا حکم دیا ہو لیکن وہ اس خط کو بار بار پڑھتا رہے اور آقا کے احکام کی تعمیل نہ کرے۔

عرب کے اونٹ چرانے والے بدّو جن کو دنیا کی ایک بدترین قوم خیال کیا جاتا تھا۔ اور جو نہایت پست اور خراب حالت میں تھے، پہلے درجے کے بت پرست، مشرک اور جاہل تھے۔ قرآن کی تعلیم نے جو اثر ان میں پیدا کیا اور جو کارہائے نمایاں انہوں نے کئے رہتی دنیا تک تاریخ ان کی شہادت دیتی رہے گی۔ وہ جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست، سب سے زیادہ مہذب سب سے زیادہ متمدن اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔ یہ نسخۂ شفا ہمارے پاس بھی موجود ہے لیکن ہم اس کو استعمال ہی نہیں کرتے تو ہمیں شفا کیسے ہو۔ ہم نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا اور تنزل کی راہ اختیار کر لی۔ جس کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

تعلیم قرآن کا صحیح طریقہ

قرآن کریم کی تعلیم کا صحیح طریق خود قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی نمونہ پیش کر دیا۔ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور جتنا پڑھا جائے اُس پر غور و فکر کیا جائے۔ اور عمل کیا جائے اور عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ سامنے رکھا جائے۔ صحابہ کرام رضؓ جتنا پڑھتے تھے اس پر غور و تدبّر کرتے تھے۔ اور اس میں جو حکم ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد ہی عمل ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بالکل واضح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں۔ اگر اٹھاتے ہیں تو پھر وہی نتائج کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ ہم میں سے اکثر تو قرآن مجید پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ کبھی کبھی تبرکاً چند آیات پڑھ لیتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانیت پستی اور نشیب کے آخری نکتہ پر پہنچ گئی ہے اور اس اعراض عن القرآن کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہم ذلیل ہو رہے ہیں۔ اور معزّز قوموں کی فہرست میں ہمارا نام نظر نہیں آتا۔ ہم الفاظ کا پڑھنا ہی کافی خیال کرتے ہیں۔ اور تلاوت صرف ایک رسم ہو کر رہ گئی ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن نہیں سمجھ سکتے اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے علوم و فنون کی ضرورت ہے اور بڑے عالم ہونے کی ضرورت ہے یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بالکل صاف اور واضح ہیں اور جو ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اس کی کوششوں کو بارآور کر دیتے ہیں اور سمجھنے کی توفیق عطا کر دیتے ہیں — صحابہ کرامؓ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دیتا رہے گا۔ ہمیں ان کے نمونہ کو سامنے رکھنا چاہیئے اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ؎

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

بقیہ مجلس ذکر

(صـ۵ سے آگے)

میں یادِ حق کا چراغ روشن تھا۔ ایک مرتبہ وہ ڈبی بازار سے سنہری مسجد کی طرف آ رہا تھا۔ راستہ میں زیورات سے آراستہ و پیراستہ ایک حسین ہندو عورت کی طرف نظر پڑ گیا تھا کہ چراغ گُل ہو گیا۔ اور آج تک ریاضتوں اور استغفار کے باوجود وہ چراغ روشن نہیں ہو سکا۔

اس واقعہ سے حضرت اقدسؒ یہ نتیجہ نکالا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ بہت ہی نازک مزاج محبوب ہیں۔ اور اس قدر نازک ہیں کہ وہ گوارا ہی نہیں کرتے کہ کوئی ان کا بھی ہو اور غیر کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ۳

۳۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں دین حق پر عمل کرنے اور اپنی یاد کی توفیق دے۔ آمین۔

قارئین کرام اور ایجنٹ حضرات

ملاحظہ فرمائیں

بیشمار یاد دہانیوں کے بعد ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ اُن نادہندہ ایجنٹوں کے نام شائع کر دیں جنہوں نے آج تک رسالہ کی باقی رقوم ادا نہیں کیں ہم پھر واضح کرتے ہیں کہ اس اعلان کو وہ آخری تنبیہہ سمجھیں اور بیشتر اس کے کہ ہم عملاً اقدام یعنی قانونی کاروائی کریں وہ ادائیگی کر دیں بصورت دیگر یہ قانونی نوٹس برائے عدالتی چارہ جوئی متصور ہو۔

اس موقع پر ہم قارئین کرام سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ ایجنٹ حضرات کو مقامی طور پر تلقین کریں کہ ایک دینی اور تبلیغی پرچہ بقایا رقوم ادا کر کے اپنی دنیوی اور اخروی پریشانیوں سے نجات حاصل کریں۔

مینجر
سید مشتاق حسین بخاری بی اے۔ ایل ایل بی

۱۔ حکیم محمد یاد صاحب۔ بستی گجرات	۱۴---۳۳
۲۔ حافظ فیض محمد۔ چکوال	۱۳—۸۴
۳۔ محمد صدیق۔ لیاقت پور	۱۷—۲۹
۴۔ مرغوب عالم۔ نصیر آباد	۱۲—۳۷
۵۔ محمد اسلم شفیع	۱۴—۴۹
۶۔ مولوی فضل رحیم۔ کراچی	۱۱—۱۲
۷۔ شیخ محمد عاشق۔ گگو منڈی	۴۸—۶۴
۸۔ محمد عبد اللہ۔ سرائے عالمگیر	۱۴۸—۸۰
۹۔ محمد حنیف۔ کورینہ بازار	۲۰—۶۳
۱۰۔ مجی عباس عبد اللہ۔ نصیر آباد	۱۸—۷۹
۱۱۔ مولوی عبد اللہ۔ بنوں	۳۱—۴۴
۱۲۔ محمد زکریا۔ مانسہرہ	۴—۷۷
۱۳۔ مولوی اللہ یار۔ منکیرہ	۴—۳۷
۱۴۔ ایم اللہ انصاری۔ ٹنڈو جان محمد	۲۳—۵۷
۱۵۔ جاوید اقبال۔ عارف والا	۳۵—۶۲
۱۶۔ غلام علی۔ علی پور	۳۵—۰۰
۱۷۔ جی ایم۔ قریشی۔ خانیوالی	۱۲۷—۳۱
۱۸۔ جناب محمد رشید صاحب۔ لیہ	۵۹—۰۶
۱۹۔ غوث بخش صاحب۔ باڈا	۱۹—۰۶
۲۰۔ محمد یوسف۔ کچا کھوہ	۲۹—۲۵
۲۱۔ ذاکر حسین۔ دریا خان	۴۸—۳۷
۲۲۔ عبد الرؤف۔ سرائے نورنگ	۲۵—۲۵
۲۳۔ امان اللہ۔ بیٹی	۷۴—۸۷
۲۴۔ میرزا ایوب۔ منگورہ	۳۹—۱۵
۲۵۔ محی الدین صدیقی۔ شمع فلمی بکسٹال بندر روڈ نزد رٹز سینما۔ کراچی	۱۸۷—۵
۲۶۔ مولوی نور دین۔ گوجرانوالہ	۱۳۲—۴۴
۲۷۔ شیخ محمد رفیق۔ میرپور خاص	۱۳۹—۳۰
۲۸۔ منیر حسین۔ گجرات	۱۶۷—۳۱
۲۹۔ اکرام اختر۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ	۹۱—۸۷

خطبہ یوم الجمعہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۶۲ء

گذشتہ خطبہ جمعہ فلسفۂ شہادت کے عنوان سے پڑھا گیا تھا۔ ذیل کا خطبہ اُسی کی قسط ثانی تصور فرمائیں۔
(عبید اللہ انور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ

جنگ جمل، جنگ صفین، حضرت امام حسنؓ کی خلافت اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین دن بعد حضرت علیؓ کو نہایت اصرار سے خلیفۂ اسلام منتخب کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس واسطے سب سے پہلے اس واقعہ کی تحقیق شروع ہوئی مگر نہ تو قاتلوں کا سراغ چلا اور نہ انہیں سزا دی جا سکی۔ یہ واقعہ آئندہ کی تمام تکلیفوں کی جڑ ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے ملکی انتظام کی طرف توجہ فرمائی۔ اور عہد عثمانی کے تمام گورنر یک لخت برطرف کر دیئے گئے اور ان کی جگہ نئے گورنر مقرر ہوئے۔ اس میں ایک بڑی پیچیدگی یہ پیدا ہوئی کہ گورنر شام امیر معاویہؓ نے چارج دینے سے انکار کر دیا۔

جنگِ جمل

امیر معاویہؓ کا معاملہ طے ہو رہا تھا کہ ایک نئی مشکل اور پیدا ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ حج کر کے مدینہ واپس آ رہی تھیں کہ انہیں راستے میں اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے ہیں اور قاتلوں کو سزا نہیں ملی۔ حضرت عائشہؓ یہ خبر پاکر مکہ معظمہ کی طرف واپس لوٹ گئیں۔ اور مسلمانوں سے فرمایا کہ خلیفۂ اسلام کا خون رائیگاں نہ جانے دو۔ اسی اثناء میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اور حضرت عائشہؓ سے مدد حاصل کر کے حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کی دعوت شروع کر دی اور ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ کر بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضرت علیؓ بھی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ یہاں پہنچ گئے نزاع کی اصل چیز صرف یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور صلح و آشتی کے ساتھ اختلافات طے ہو جائیں مگر دونوں لشکروں میں دو جماعتیں ایسی تھیں جن کا دلی مقصد یہ تھا کہ جنگ چھڑ جائے۔ حضرت عائشہؓ کی فوج میں بنی امیہ کے بہت سے افراد شامل تھے یہ لوگ جنگ اور فتور کو صلح سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی فوج میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی جماعت شامل تھی اور یہ اپنی خیر اسی میں سمجھتی تھی کہ جنگ چھڑ جائے۔ صلح کی گفتگو شروع تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج کی سبائی پارٹی اور حضرت عثمانؓ کی قاتل جماعت نے رات کی تاریکی میں دفعتاً حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس سے فریقین میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ اور ایک فریق یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ گھبرا کر اپنے خیموں سے باہر نکلے۔ تاکہ چلتی ہوئی تلواروں کو روکا جائے۔ مگر فریقین کے فتنہ پسند لوگوں نے جنگ کو اس شدت سے بھڑکایا کہ صلح، محبت اور نیک نیتی کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ نہایت شدت کی جنگ ہوئی۔ یہاں تک کہ دس ہزار مسلمان کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ قلب فوج میں اونٹ پر سوار تھیں۔ حضرت علیؓ نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ جب تک حضرت عائشہؓ کا اونٹ نہ بٹھایا جائے گا۔ جنگ کی آگ نہ بجھے گی اس واسطے حضرت علیؓ کے اشارہ سے ایک سپاہی نے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں پر ایک ایسی تلوار ماری کہ اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی تلوار کا بہاؤ بھی ختم ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، نہ زخمیوں پر گھوڑے دوڑائے جائیں اور نہ غنیمت کا مال لوٹا جائے۔ اس منادی کے ساتھ ہی آپ حضرت ام المومنینؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بڑے ہی عزت و احترام کے ساتھ ان کے قیام کا انتظام کیا پھر جب آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تو رخصت کرنے کے لئے چند میل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو ساتھ بھیجا۔ اور حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی احترام و عقیدت سے مدینہ منورہ بھیج دیا۔

صفین میں شیر خداؓ کی تیغ آزمائی

جنگ جمل سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو بیعت کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے قاصد بھیج کر مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ جب قاصد نے دربارِ خلافت میں یہ مطالبہ پیش کیا تو دس ہزار مسلح سپاہی کھڑے ہو گئے اور پکار اٹھے "ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں" اس کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو دوبارہ بیعت کی دعوت دی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس واسطے آپ شام پر حملہ آور ہوئے ۸۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ساتھ تھی۔ صفین کے میدان میں دونوں لشکر بالمقابل آئے۔ لیکن صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت درمیان میں آ گئی۔ تین ماہ تک جنگ رکی رہی اور صلح کی گفتگو ہوتی رہی۔ فریقین نے پچاسی مرتبہ جنگ کا ارادہ کیا۔ مگر ہر مرتبہ اخوت اسلامی کا احساس، ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ آخر جمادی الآخر میں جنگ کی ابتدا ہو گئی۔ مگر صحابہؓ کی کوشش سے رجب کے مہینے میں پھر چلتی ہوئی تلواریں رک گئیں۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ امیر معاویہؓ سے گفتگو کر کے دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت علیؓ سے کہا کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیں تو وہ ابھی بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ اس خبر کو سن کر ۲۰ ہزار سپاہی حضرت علیؓ کے لشکر سے کٹ کر دور جا کھڑے ہوتے اور چلانے لگے "ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں"۔ بہرحال یہ سفارتِ صلح بھی ناکام رہی اور محرم کے بعد پھر جنگ شروع ہو گئی۔ اس شدت کا رن پڑا کہ کرۂ زمین لرز گیا۔ اور اس طرح معلوم ہونے لگا کہ گویا تمام عرب مسلمانوں سے خالی ہو جائے گا۔ آخری جنگ کے بعد امیر معاویہؓ کی قوت ٹوٹ گئی اور انہوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ حضرت علیؓ نے خیال کیا کہ امیر معاویہؓ حکمت عملی سے ٹالنا چاہتے ہیں۔ اس واسطے آپ تازہ جوش کے ساتھ اگلے دن میدان جنگ میں صف آرا ہو گئے۔

ثالثی کا فیصلہ اور لشکر خلافت میں پھوٹ

اس وقت عمرو بن العاص نے امیر معاویہؓ کو کہا کہ اب میں ایک ایسی چال چلتا ہوں۔ یا تو جنگ ختم ہو جائے گی یا حضرت علیؓ کی فوج میں نفاق پڑ جائے گا۔ اس نے اپنی فوج کے متعدد نیزوں پر قرآن بندھوا دیئے اور آگے بڑھ کر یہ ندا دی۔ اے گروہ عرب! اگر تم اسی طرح لڑ کر فنا ہو گئے تو ایرانی اور رومی تمہاری عورتوں کو سنبھال لیں گے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب اللہ گواہ ہے۔ اب لڑائی ختم کر دو۔ ہرچند حضرت علیؓ کے رفقاء نے سمجھایا کہ شکست فوت کے بعد قرآن کھڑے کرنا دشمن کا فریب ہے۔ لیکن قرآن کی سطوت مسلمانوں کے دل پر اس قدر چھا چکی تھی کہ حضرت علیؓ کو مجبوراً التوائے جنگ کا اعلان کرنا پڑا اور اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کا کیمپ دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروہ کی رائے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا کہ وہ اتفاق رائے سے جو بھی فیصلہ کر دیں۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو منظور ہو گا۔ مگر دوسرے فریق نے اس قرارداد کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے کہا۔ کہ اللہ کے دین میں باغیوں کا فیصلہ کرنا سخت گناہ اور کفر ہے۔ اس تفریق کے باوجود ثالثی قرار پا گئی — اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ نے ایک گوشۂ خلوت میں بیٹھ کر یہ رائے طے کی کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو اپنے منصب سے معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ پھر نئے سرے سے طے کرے کہ مسلمانوں کا خلیفہ کون ہو گا؟ دونوں فریق ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لئے جمع ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ نے فریب سے کام لے کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اعلان فیصلہ کے لئے ممبر پر کھڑا کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حمد و نعت کے بعد بتایا۔ کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو اپنے منصب سے معزول کرتے ہیں۔ اور مجلس شوریٰ کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرلے۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔ صاحبو! میں علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا ہے۔ معزول کرتا ہوں، لیکن امیر معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عمرو بن العاصؓ کی اس غلط بیانی پر ششدر رہ گئے۔ اور فرمایا کہ یہ اعلان صریح غداری اور بے ایمانی ہے اس پر مجمع درہم برہم ہو گیا اور جنگ کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

خارجیوں کا فتنہ

ثالثی فیصلہ کی ناکامی سے حضرت علیؓ کی فوج میں سخت نفاق پڑ گیا۔ وہ لوگ جو پہلے ہی ثالثی فیصلہ کے خلاف تھے بہت زیادہ بپھر گئے۔ انہوں نے کہا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اللہ کے سوا کسی کو فیصلے کا حق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ خارجی کے نام سے ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ کی بیعت توڑ دی، عبداللہ بن مواہبؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور عقیدہ یہ ٹھہرایا کہ وہ تمام مسلمان جنہوں نے ثالثی فیصلے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے، کافر اور واجب القتل ہیں۔ حضرت علیؓ شام پر حملہ کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ خارجیوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں ہرچند سمجھانے کی کوشش کی مگر ان کا فساد کم نہ ہوا۔ مجبوراً ان پر فوج کشی کی گئی۔ نہروان کے مقام پر ایک آتش فشاں جنگ ہوئی۔ چار ہزار خارجی ایک ایک کر کے کٹ گئے مگر کسی شخص نے بھی پیٹھ نہ دکھائی۔

حضرت علیؓ کی شہادت

خارجیوں سے فراغت حاصل کر کے حضرت علیؓ نے جنگ صفین کی تیاریاں شروع کر دیں مگر اہلِ شام نے ان کی جماعت میں کئی اندرونی فتنے پیدا کر دئے۔ حضرت قیس بن سعدؓ نے مصر کو رام کر لیا تھا مگر امیر معاویہؓ کے حامیوں نے یہ شہرت دے کر کہ قیس دراصل امیر معاویہؓ کے ہوا خواہ ہیں۔ حضرت علیؓ کو ان سے بدگمان کر دیا۔ اور اس طرح مصر میں شورش پیدا کر دی۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے فوج کے چند دستوں کو عراق، حجاز اور جزیرۂ عرب میں پھیلا دیا کہ وہ ہر طرف سے چھوٹے چھوٹے حملے کر کے ملک میں ایک عام پریشانی پیدا کر دیں۔ اس وقت حضرت علیؓ نے بڑی کوشش کی کہ ایک متحدہ حملہ کر کے حملہ آوروں کو ملک سے نکالا جائے مگر شیدان علیؓ کی ہمتیں اس قدر افسردہ ہو چکی تھیں کہ وہ اس دعوت کو لبیک نہ کہہ سکے۔ سنہ ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا اور لوگوں سے زبردستی اپنی بیعت کرائی۔ حضرت علیؓ نے نہایت پُرجوش خطبوں سے اہل کوفہ کو جنگ کے لئے ابھارا اور وہ تیار بھی ہو گئے مگر جب کوچ کا وقت آیا۔ تو میدان میں صرف تین سو آدمی جمع تھے۔ اسی دوران میں چند خارجیوں نے ایک خفیہ سازش کی اور طے کیا کہ ابن ملجم، نزان اور عبداللہ تین آدمی جائیں۔ اور مسجدوں میں ایک ہی روز حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاص کو شہید کر کے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔ یہ تینوں آدمی رمضان سنہ ۴۰ھ میں مسجدوں میں پہنچ گئے۔ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو سجدہ میں شہید کر دیا۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے۔ عمرو بن العاص اس دن امامت کے لئے نہیں آئے۔ اس واسطے ان کا قائم مقام امام وضو کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔

حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری

امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ امیر معاویہؓ نے یہ سنتے ہی فوجی پیشقدمی شروع کر دی حضرت حسنؓ مقابلے میں نکلے لیکن ساباط پہنچ کر جب لوگوں میں کمزوری کے آثار دیکھے تو تقریر کی اور فرمایا۔ تم میں اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ میں تم کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر خارجی لوگ جو امیر معاویہؓ سے لڑنا اپنا فرض سمجھتے تھے، آپے سے باہر ہو گئے۔ آپ کا مصلیٰ چھین لیا گلے کی چادر چھین لی۔ آخر ربیعہ اور ہمدان والوں نے آپ کو خارجیوں کے حملے سے نکالا۔ اور آپ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر راستہ میں جراح نامی ایک خارجی نے حملہ کر کے آپ کے زانوئے مبارک کو زخمی کر دیا۔ زخم بھرنے کے بعد آپ عبداللہ بن عامر کے مقابلے کو نکلے جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو عبداللہ نے پھر حکمت عملی کی اور عراقیوں کو واسطہ دے کر کہا کہ حضرت حسنؓ جنگ ملتوی کر دیں۔ عبداللہ کی یہ حکمت عملی کارگر ثابت ہوئی اور حضرت حسنؓ اور ان کی فوج پھر مدائن کی طرف لوٹ گئے۔ اور عبداللہ نے آگے بڑھ کر مدائن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور یہاں ایک عہدنامہ ہوا اور حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری لکھ دی، طے یہ پایا کہ کوئی عراقی سابقہ عداوت کے سبب نہ پکڑا جائے۔ سب کو امان حاصل ہو گی۔ اہواز کا خراج حضرت حسنؓ کے لئے وقف رہے گا۔ حضرت حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ الگ دیا جائے گا۔ بنی ہاشم کو عطیات وغیرہ میں ترجیح دی جائے گی۔ امیر معاویہؓ نے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور معززین کی شہادتوں

سے منظوری کا خط حضرت حسنؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔

یہ ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔ آپ بہ اختلاف روایت چھ سال یک خلیفہ رہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۴۹ھ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے آپ کو کسی وجہ سے زہر دے دیا۔ جس سے آپ کے قلب و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور اسی حال میں آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۴۷ یا ۴۸ سال تھی۔ اللھم صلی علی محمد و علی آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝

پچھلے خطبہ کا طویل مضمون اس مضمون کی لازمی تمہید ہے۔ جن بھائیوں نے گذشتہ مضمون کو تمام و کمال پڑھا ہوگا وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ حادثۂ کربلا کے وقت عرب کی عام حالت کیا تھی؟ گذشتہ مضمون میں حسب ذیل امور صاف ہو چکے ہیں:۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بنی امیہ اور بنی ہاشم کا قدیم عناد تازہ ہو چکا تھا

۲۔ حضرت علیؓ کی ساری قوتیں امیر معاویہؓ کے خلاف صرف ہو گئیں مگر آپ ان سے بیعت نہ لے سکے۔

۳۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے قریب زمانہ میں امیر معاویہؓ کا پلہ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ ۳۸ھ میں انہوں نے گورنر مصر محمد بن ابی بکر کو قتل کر کے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور ۴۰ھ میں مکہ، مدینہ اور یمن پر فوج کشی کی اور یہ سب علاقے اپنے تسلط میں کر لئے۔

۴۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں اہل کوفہ اور اہل عراق کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ حضرت امیرؓ بارہا پُرجوش خطبوں سے جنگ معاویہ کے لئے ان کی رگِ حمیت کو بھڑکاتے تھے یہ لوگ اٹھتے تھے مگر پھر بالکل بیٹھ جاتے تھے۔

۵۔ حضرت علیؓ کی مملکت میں خارجیوں کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو چکا تھا اور یہ لوگ ہر وقت لوٹ مار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

۶۔ حضرت علیؓ خارجیوں ہی کی سازش سے شہید کئے گئے۔

۷۔ حضرت حسنؓ زیادہ تر اپنی صلح جوئی کے باعث اور کچھ اہل کوفہ کی غداری اور حالات کی ناموافقت کے باعث، از خود امیر معاویہؓ کے حق میں تختِ خلافت سے دستبردار ہوئے۔

۸۔ امیر معاویہؓ کے گرد دنیا پرست لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت جمع ہو چکی تھی۔ یہ لوگ صرف اپنی دنیا طلبی کے لئے ہر جائز و ناجائز فعل پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

یہ آٹھ تاریخی کلیات ہیں۔ امام شہیدؓ کی جد و جہد کی صحیح تاریخی پوزیشن سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان آٹھ تاریخی نکات کو سامنے رکھیں۔

کربلا سے پہلے

حضرت امام حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گودوں میں آپ پرورش پا کر سن شعور کو پہنچے۔ آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ حضرت سید المرسلینؐ نے وفات پائی۔ خلافت صدیقی میں آپ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت صدیقؓ نبیرہ رسولؐ کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی آپ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ آپ نے بدری صحابہ کے لڑکوں کا وظیفہ دو ہزار مقرر کیا تھا۔ مگر حضرت حسینؓ کا وظیفہ پانچ ہزار مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آپ جوان ہو چکے تھے۔ مفسدین کی شورش کے وقت آپ قصرِ خلافت کے محافظ تھے۔ جنگِ جمل اور جنگ صفین میں اپنے والد ماجد کے ساتھ شریک تھے۔ جب حضرت حسنؓ نے خلافت سے دست برداری کا ارادہ کیا تو آپ نے پُرزور مخالفت فرمائی لیکن فیصلہ کے بعد آپ کے ظاہری تعلقات امیر معاویہؓ سے درست ہو گئے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں آپ قسطنطنیہ کے حملے میں بھی شامل ہوئے۔ ۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے یزید کی ولی عہدی کے حق میں زبردستی بیعت لی مگر امام حسینؓ اس سے متفق نہ ہوئے۔ اس سے امیر معاویہؓ کو بھی آئندہ خطرات کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ انتقال کے وقت آپ نے یزید کو وصیت کی کہ اہل عراق، حسینؓ کو تمہارے مقابلے میں کھڑا کریں گے۔ مگر تم ان کے حق اور قرابت نبویؐ کا احساس کر کے درگذر سے کام لینا۔

یزید کی تخت نشینی

رجب ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا تو اکثر مسلمانوں نے یزید کی بیعت کو قبول کر لیا۔ یزید کو حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے خطرہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں حجاز اور عراق کو اس کے بالمقابل کھڑا کر سکتے ہیں۔ اس واسطے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ دونوں سے بیعت لی جائے۔ ولید نے مروان بن حکم کو مشورہ دیا کہ اگر ذرا بھی لیت و لعل کریں تو سر اُڑا دو۔ اگر یہ دونوں اس وقت نکل گئے تو پھر قابو نہیں آئیں گے۔ ولید نے ایک غیر معمولی وقت میں امام عالی مقام کو بلا بھیجا۔ چونکہ امیر معاویہؓ کی بیماری کی خبریں مدینہ میں عام تھیں۔ اس واسطے آپ اپنی حفاظت کے لئے ایک جماعت کو ساتھ لیتے گئے۔ جب ملاقات ہوئی تو ولید نے بیعت کا مطالبہ کیا۔ آپ نے پہلے تو امیر معاویہؓ کے انتقال کی تعزیت کی اور پھر فرمایا کہ میں چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ خفیہ بیعت میرے لئے زیبا نہیں۔ جب تم عام لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آ جاؤں گا۔ اسی دوران میں یہ خبر عبداللہ بن زبیرؓ کو پہنچ گئی۔ اور وہ راتوں رات مکہ کی طرف نکل گئے۔ چونکہ ولید دن بھر ان کی تلاش میں سرگردان رہا۔ اس واسطے وہ آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ اس نے دوسرے دن آپ کو بلایا تو آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ اسی دوران میں اہل عراق کے پے در پے پیغام پہنچے کہ آپ خلافت قبول کیجئے۔ اسی کش مکش میں محمد بن حنفیہ کے مشورہ سے آپ شعبان ۶۰ھ میں مدینہ سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

بیعت سے کیوں انکار تھا؟

خلفائے راشدین کی سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ خلیفہ منتخب کرے، مگر امیر معاویہؓ نے قیصر و کسریٰ کی سنت کے مطابق "بادشاہت" کا سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ اس واسطے آپ اصولاً اس کارروائی کے خلاف تھے۔ یزید ذاتی طور پر بھی اس قابل نہ تھا۔ اس کے علاوہ چند اہل عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔

مسلم بن عقیل کی شہادت

آپ نے مکہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تحقیق حالات کے لئے کوفہ بھیجا۔ اور ایک دوسرا قاصد بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ جاسوسوں نے یہ خبریں اسی وقت یزید کو پہنچا دیں اور اس نے حاکم بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو تاکیدی حکم بھیجا کہ مسلم کو کوفہ سے نکال دو۔ اور اگر مزاحمت کرے تو قتل کر دو۔ بصرے کا قاصد گرفتار ہوا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ مسلم بن عقیل کو ہانی بن عروہ نے زنان خانے میں ٹھہرایا اور یہیں چند روز میں ۱۸ ہزار اہل کوفہ نے امام حسینؓ کی بیعت کر لی۔ ابن زیاد نے ہر چند مسلم کی تلاش کی مگر کچھ بھی سراغ نہ مل سکا۔ آخرکار اس کے غلام معقل

نے اس خفیہ انتظام کا سراغ لگا لیا۔ ابن زیاد نے پہلے ہانی کو گرفتار کر لیا اور چاہا کہ وہ مسلمؓ کو حوالے کر دیں مگر ہانی نے صاف انکار کر دیا کہ مَیں موت کو لبیک کہہ سکتا ہوں مگر اپنے مہمان اور پناہ گزین کو حوالے نہیں کر سکتا۔ اسی اثنار میں یہ افواہ اڑ گئی کہ ہانی قتل کر دیا گیا۔ اس پر ہانی کے ہزارہا ہم قبیلہ لوگوں نے قصرِ امارت کو گھیر لیا اور دوسری طرف مسلم بن عقیلؓ اپنے ۱۸ ہزار رفیقوں کے ساتھ "یا منصور امت" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے حملہ آور ہو گئے۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس صرف پچاس آدمی تھے اس نے محل کا دروازہ بند کر لیا اور معززین شہر کو حکم دیا کہ کوٹھے پر چڑھ کر لوگوں کو لالچ اور خوف سے منتشر ہونے کی ترغیب دیں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور مسلم کے ساتھی اسی وقت منتشر ہونے لگے۔ شہر کے لوگ آتے تھے اور اپنے عزیزوں کو ہٹا لے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ساتھ ۳۰ آدمی کھڑے رہ گئے۔ آپ ان رفقاء کے ساتھ کندہ کے محلہ کی طرف ہٹ گئے۔ یہاں یہ تیس بھی کھسکے اور آپ تن تنہا کھڑے رہ گئے۔ اور ایک عورت کے ہاں پناہ لی۔ ابن زیاد نے سراغ لگانے کے بعد ستر آدمیوں کے ساتھ اس مکان کا محاصرہ کر لیا مگر مسلم بن عقیلؓ خوفزدہ نہ ہوئے بلکہ اس ہمت سے ٹکرائے کہ سب کو مکان سے باہر کر دیا۔ انہوں نے پھر ریلا مارا مگر آپ نے پھر ہمت کر کے انہیں دھکیل دیا ایک شخص نے آپ کے چہرے پر وار کیا جس سے اوپر کا ہونٹ کٹ گیا۔ اور دو دانت جھٹکا کھا گئے۔ باقی ۶۹ آدمی مکان کی چھت پر چڑھ کر آگ اور پتھر برسانے لگے۔ اب مسلمؓ گلی میں نکل کر مقابلہ کرنے لگے اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ اور جب قوت نے بالکل جواب دے دیا تو دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اور اس وقت محمد بن اشعث نے پناہ کا وعدہ دے کر انہیں گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد آپ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا محمد بن اشعث نے کہا کہ میں مسلم کو امان دے چکا ہوں۔ لیکن زیاد نے اسے تسلیم نہ کیا اور حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ آپ نے ابن زیاد کی اجازت سے عمرو بن سعد کو وصیت کی کہ حضرت امام حسینؓ آ رہے ہونگے اُن کے پاس آدمی بھیج کر راستے ہی میں واپس کر دیا جائے۔ وصیت ہو چکی تو آپ کو محل کی بالائی منزل پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ اور آپ کی لاش اور سر دونوں نیچے پھینک دئے گئے۔ اس دردناک طریقہ سے حضرت حسینؓ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا۔

امام حسینؓ کی روانگی

مسلم بن عقیل نے پہلا خط جو امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا، یہ تھا۔ کہ تمام شہر آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہے۔ آپ یہ خط دیکھتے ہی سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ جب دوستوں اور ہواخواہوں کو علم ہُوا تو انہوں نے نہایت شدت سے روکا۔ عمرو بن الرحمن نے کہا کہ کوفہ کے لوگ روپیہ پیسہ کے غلام ہیں۔ جو لوگ آپ کو بلاتے ہیں کل وہی آپ سے جنگ کریں گے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے خدا کا واسطہ دے کر کہا۔ کہ آپ مکہ سے حرکت نہ کریں۔ عراقی آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس پھر دوسرے دن آئے اور عرض کی۔ اے میرے چچیرے بھائی! میرا دل آپ کے سفر سے سخت بیقرار ہے۔ آپ اہل کوفہ کو صرف یہ لکھیں کہ تم پہلے شامیوں کو نکال دو پھر مَیں کوفہ پہنچ جاؤں گا۔ لیکن حضرت حسینؓ رضامند نہ ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا۔ "اگر جاتے ہو تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم بھی عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے قتل نہ کر دئے جاؤ اور وہ غریب دیکھتے رہ جائیں"۔ لیکن کارکنانِ قضا و قدر کو کچھ اور منظور تھا۔ اس لئے ابن عباسؓ کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر میں ابوبکر بن حارث نے کہا کہ ہم میں حضرت علیؓ سے بڑی شخصیت کس کی ہو گی مگر اہل عراق نے دنیا کے طمع میں ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔ پھر حضرت حسنؓ سے بے وفائی کی۔ ان زندہ تجربات کے بعد آپ اپنے باپ کے دشمنوں سے کیا بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن حضرت امامؓ نے اس پر بھی اپنا ارادہ نہ بدلا اور انہیں صرف یہ جواب ملا کہ "خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی" اور اہل بیت کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفر کے حالات

صفاح میں فرزدق شاعر آپ سے ملا آپ نے عراق کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیّہ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ آگے بڑھے تو عبداللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید حاکم مکہ کے خطوط ملے۔ ان خطوط میں خدا کا واسطہ دے کر آپ سے اپیل کی گئی تھی کہ آپ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائیں آپ نے مطالعۂ خطوط کے بعد ایک ایسی بات کہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی غیبی اشارے کی تعمیل فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مَیں نے رسول اللہؐ کی زیارت کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک حکم ارشاد فرمایا ہے اب نتیجہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو مَیں اس حکم کی ضرور تعمیل کرونگا۔ عبداللہ اور یحییٰ نے خواب کی تفصیل پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ مَیں یہ خواب موت تک بھی کسی کو نہیں بتا سکتا۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے عمرو بن سعید کے خط کا جواب لکھا۔ "جو شخص اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہے، عمل صالح کرتا ہے اور اپنے اسلام کا معترف ہے۔ وہ خدا اور اس کے رسول سے اختلاف کیونکر کر سکتا ہے۔ تم نے مجھے امان، بھلائی اور صلۂ رحمی کی دعوت دی ہے۔ پس بہترین امان، اللہ تعالیٰ کی امان ہے جو شخص دنیا میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا قیامت کے دن اس کو امان دے گا اس لئے مَیں دُنیا میں خدا کا خوف چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا مستحق رہوں۔ اگر خط سے تمہاری نیّت واقعی میرے ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی ہے تو خدا تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے خیر دے۔"

ادھر اہل بیت کا قافلہ منزلیں طے کر رہا تھا۔ ادھر ابن زیاد نے قادسیہ سے لے کر خفان، قطقطانہ اور جبل بعلع تک جاسوس اور سوار روانہ کر دئے تاکہ حضرت حسینؓ کی نقل و حرکت کی خبریں ملتی رہیں امام حسینؓ نے حاجز پہنچ کر قیس بن مسہر کے ہاتھ کوفہ والوں کو اپنی آمد کا خط ارسال کیا۔ لیکن ابن زیاد کے تمام انتظام مکمل تھے قیس کو قادسیہ ہی میں گرفتار کر لیا گیا اور ابن زیاد نے اسے چھت سے نیچے گرا کر شہید کرا دیا۔ بطن رملہ بن مطیع سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے صاف طور پر بیان کیا کہ آپ ہرگز ہرگز کوفہ کا قصد نہ کریں آپ وہاں یقیناً شہید کر دئے جائینگے جب ثعلبہ میں پہنچے تو آپ کو مسلم اور ہانی کے دردناک قتل کی اطلاع ملی۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ہواخواہوں نے پھر عرض کیا کہ آپ یہیں سے واپس لوٹ جائیں۔ لیکن مسلم کے بھائیوں نے پیش قدمی کی رائے دی اور اس طرح اہل بیت کا قافلہ ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔ زبار پہنچ کر آپ کو اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر کے قتل کی اطلاع ملی اور ساتھ ہی مسلم بن عقیل کی وصیت کے مطابق آدمی

پہنچے کہ یہاں کا حال بدل چکا ہے۔ اس موقع پر حضرت امام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے ایک پُر درد تقریر فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا" ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اس واسطے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے الگ ہو جائے۔ ہماری کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس پر بیشمار لوگ جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، الگ ہو گئے اور صرف وہی بندگانِ وفا ساتھ رہے جو مدینہ سے آئے تھے۔ بطن عقبہ میں آپ کو پھر واپسی کی ترغیب دی گئی۔ مگر آپ نے فرمایا" خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ جب آپ شراف میں پہنچے۔ تو محرم ۶۱ھ کا خونی سال شروع ہوا۔ اور اسی مقام پر حُر بن یزید تمیمی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے بالمقابل آ ٹھہرا۔ نماز ظہر کے وقت آپ نے حُر کے دستے کے سامنے تقریر کی اور ارشاد فرمایا کہ" میں تمہاری دعوت اور عہد و پیمان کے مطابق آیا ہوں۔ میرے پاس اس مضمون کے تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئیے۔ شاید خدا آپ کے ذریعے ہمیں سیدھے راستے پر لگا دے۔ اب میں آ گیا ہوں، اگر تم لوگ میرے ساتھ پختہ وعدہ کرکے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور تمہیں میرا آنا ناپسند ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں"۔ نماز عصر کے بعد آپ نے پھر اسی مضمون کی تقریر فرمائی تو حُر نے جواب دیا کہ ہمارا خط لکھنے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ابن زیاد کے سپاہی ہیں ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم آپ کے ساتھ لگے رہیں۔ یہاں تک کہ کوفہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ اس موقع پر حضرت امام حسینؓ نے کاروانِ اہل بیتؓ کو واپس لوٹانا چاہا مگر حُر نے راستہ روک لیا۔ آپ مدینہ کی طرف واپس ہو جانا چاہتے تھے مگر حُر چاہتا تھا کہ آپ کو کوفے لے جائے۔ مزید گفتگو کے بعد حُر نے یہ اجازت دی کہ اگر آپ کوفے نہیں جا سکتے تو آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جائے اور نہ مدینہ واپس کرے۔ اسی دوران میں میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ یزید کو لکھیں ممکن ہے کہ عافیت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس قرارداد کے بعد آپ ایک ایسے راستے پر روانہ ہوئے جس کی آخری المناک منزل کربلا تھی۔ بیضہ کے مقام پر آپ نے پھر ایک دردناک خطبہ دیا:۔

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے ظالم، محرماتِ الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے سنتِ رسول اللہؐ کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس کو قولاً اور عملاً غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے کہ اس کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدودِ الٰہی کو بیکار کر دیا ہے۔ مال غنیمت میں اپنا حصّہ زیادہ لیتے ہیں۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔ میرے پاس تمہارے خطوط آئے، تمہارے قاصد آئے کہ تم نے بیعت کر لی ہے اور تم مجھے بے یار و مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہ راست کو پہنچو گے میں علیؓ اور فاطمہؓ بنتِ رسول اللہؐ کا بیٹا حسینؓ ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے برابر اور میرے اہل تمہارے اہل کے برابر ہیں۔ میری شخصیت تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکالو گے تو میری عمر کی قسم یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا۔ تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی، میرے ابن عم مسلمؓ کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے فریب میں آ گیا۔ تم نے اپنے فعل سے اپنا حصہ ضائع کر دیا۔ جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا اپنی ذات سے عہد توڑتا ہے عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا"۔

یہ تقریر سن کر حُر نے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا:۔

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ مرد کے لئے موت ذلت نہیں بلکہ عزت ہے خاص طور پر اس وقت جبکہ اس کی نیت نیک ہو اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کر رہا ہو"۔

عذیب الہجانات کے مقام پر آپ کے چار سو معاون، کاروانِ اہل بیت کے ساتھ شامل ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ اشرافِ کوفہ کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر آپ کے خلاف اور مشتعل کر دیا گیا ہے۔ یہیں آپ کو یہ اطلاع ملی کہ آپ کے آخری قاصد قیس بن مسہر بھی قتل کر دئے گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امامؓ بے اختیار رو پڑے۔ اور ارشاد فرمایا کہ کچھ وہ ہیں جو شہید ہو گئے ہیں اور کچھ باقی ہیں جو شہادت کے منتظر بیٹھے ہیں۔ طرماح بن عدی نے آپ کو اہل کوفہ کی تیاریوں کا حال بتایا۔ اور آخر میں یہ تجویز پیش کی کہ میرے ساتھ طے کی پہاڑیوں میں تشریف لے چلیں۔ وہاں ۲۰ ہزار طائی بہادر آپ کی امداد کریں گے۔ مگر حضرت امامؓ نے فرمایا کہ حُر کے ساتھ اس راستے پر چلنے کا عہد ہو چکا ہے اور اس عہد کے خلاف ہم کسی طرف نہیں جا سکتے۔ اس کے بعد قافلہ اہل بیت، قصر بنی مقاتل میں پہنچا اور آپ رات کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون اور الحمد للہ رب العلمین پڑھتے ہوئے بستر سے اٹھے آپ کے صاحبزادہ زین العابدین نے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے خواب میں ایک سوار دیکھا ہے۔ وہ ندا کر رہا تھا کہ لوگ جا رہے ہیں اور موت ان کے ساتھ ہے۔ یہ خواب ہماری موت کی خبر ہے۔ صاحبزادہ نے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا۔ خدا کی قسم ہم حق پر ہیں۔ عرض کیا تو ہم کو موت کی پرواہ نہیں۔

میدان کرب و بلا

نینوا میں ابن زیاد کی طرف سے حُر کو حکم ملا کہ قافلۂ اہل بیت کو ایک ایسے میدان میں گھیر کر لے جاؤ۔ جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ نہ ہو۔ اس حکم کے بعد حُر نے مزاحمت کی۔ یہ ۲ محرم ۶۱ھ کا ذکر ہے کہ قافلۂ اہل بیت اپنے آخری مستقر یعنی نینوا کے میدان کرب و بلا میں خیمہ زن ہو گیا۔ زہیر بن قین نے کہا۔ یا ابن رسول اللہؐ! آئندہ جو وقت آئے گا وہ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔ ابھی لڑنا آسان ہے۔ اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئیں گی ہم اُن کے ساتھ لڑ نہ سکیں گے۔ لیکن خیرخواہ امت نے جواب دیا کہ میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کروں گا۔

۳ محرم کو عمرو بن سعد چار ہزار فوج کے ساتھ آپ کے مقابل آ ٹھہرا۔ عمرو بن سعد نے قرہ بن سعد حنظلی کو ملاقات کے لئے بھیجا تو حضرت امامؓ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے شہر والوں نے خطوط لکھ کر بلایا ہے۔ اب اگر میرا آنا تم کو پسند نہ ہو تو میں لوٹ جاؤں۔ ابن سعد اس جواب سے بہت متاثر ہوا اور تمام واقعہ ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔ اُس نے جواب دیا کہ تم حسینؓ اور ان کے ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو پھر دیکھا

جائے گا۔ اس کے بعد ہی دوسرا حکم یہ پہنچا کہ قافلۂ اہل بیت پر پانی بند کر دیا جائے۔ اس حکم پر ابن سعد نے ۵۰۰ سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کر دیا اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا۔ عبداللہ بن ابی حصین شامی نے امام حسینؓ سے مخاطب ہو کر کہا "حسینؓ! پانی دیکھتے ہو، کیسا آسمان کے جگر کی طرح جھلک رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا۔ تم اسی طرح پیاسے مروگے"۔ جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت عباس بن علیؓ ۲۰ سواروں اور ۲۰ پیدلوں کے ساتھ گئے اور پانچسو شامیوں کا مقابلہ کر کے پانی کی مشکیں لے آئے۔ رات کے وقت ابن سعد اور حضرت امامؓ کے درمیان تنہائی میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ روایت ہے۔ کہ حضرت امامؓ نے تین تجویزیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوجوں کو چھوڑ کر یزید کے پاس چلے جائیں۔ دوم یہ کہ واپس جانے کی اجازت دی جائے سوم یہ کہ کسی سرحدی مقام پر بھیج دیا جائے۔ مگر ابن سعد نے منظور نہ کیا۔ اسی دوران میں ابن زیاد کا دوسرا فرمان پہنچا کہ تم حسینؓ کے سفارشی بنتے ہو۔ انہیں ڈھیل دیتے ہو اگر وہ میرا حکم نہیں مانتے تو حملہ کر کے میدان صاف کر دو۔ اگر تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو فوج کی کمان ذی الجوشن کے حوالے کر دو۔

ابن سعد اس فرمان سے بے حد بیقرار ہوا۔ وہ شروع سے آخر تک حضرت امام کے قتل کا عذاب لینا نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ دنیاوی جاہ و حشم کی طمع میں حضرت حسینؓ سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی متعدد وجوہ سے اس کا دل اب تک ملامت کر رہا تھا۔ اولاً وہ ایک حیثیت سے حضرت حسینؓ کا ہم خاندان تھا۔ کیونکہ چھٹی پشت عبد مناف پر دونوں کا نسب مل جاتا ہے۔ اسی نسبی تعلق کے علاوہ آپ کا قریبی عزیز بھی تھا اور حضرت حسینؓ کی ذات وہ ذات تھی کہ قرابت نبوی کی وجہ سے اعزہ کے علاوہ غیر متعلق اور بیگانہ اشخاص بھی مشکل سے آپ کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت کر سکتے تھے۔ پھر ابن سعد تو بہر حال عزیز تھا۔ اس لئے نینوی آنے کے بعد بھی وہ برابر جنگ ٹالتا رہا۔ کہ شاید اسی طرح اس گناہ عظیم سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے لیکن اس کے بعد اس نے ۹ محرم کو عصر کے وقت فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت امام حسینؓ نے فرمایا:۔

"میں نماز و دعا کے لئے ایک رات کی اور اجازت چاہتا ہوں"۔

رفقائے حسینؓ کی بے مثال وفاداری

رات کے وقت حضرت امامؓ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک عظیم الشان خطبہ دیا اور فرمایا:۔

"الٰہی! تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمارے گھروں کو نبوت سے مشرف کیا اور دین کی سمجھ اور قرآن کا فہم عطا فرمایا۔ لوگو! میں نہیں جانتا۔ کہ آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار کسی کے اہل بیت ہیں۔ اے لوگو! خدا تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ کل میرا اور ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے ہے کہ رات کے اندھیرے میں تم سب خاموشی سے نکل جاؤ اور میرے اہل بیت کو ساتھ لے جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ مجھے چاہتے ہیں۔ یہ میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے"۔

رفیقانِ حسینؓ کا جواب

امامؓ کے الفاظ سے زمین و آسمان میں سناٹا چھا گیا۔ آپ کے اہل بیت فرطِ بیقراری سے تڑپ اٹھے۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔ اے امام! خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں"۔ مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں نے کہا۔ "خدا کی قسم، ہم اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے"۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا۔ "اے ابن بتول! ہم آپ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں؟ میں اپنا نیزہ دشمنوں کے سینے میں توڑ دونگا۔ جب تک ہاتھ پر قبضہ رہے گا۔ تلوار چلاؤں گا۔ نہتا ہو جاؤنگا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے"۔ سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا۔ "خدا کی قسم! ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے۔ جب تک خدا نہ دیکھ لے کہ ہم نے اس کے رسولؐ کا حق محفوظ رکھا ہے۔ اگر میں ۷۰ مرتبہ بھی قتل کیا جاؤں، جلایا جاؤں اور آگ میں بھونا جاؤں تو پھر بھی آپ کی رفاقت سے دست کش نہ ہوں گا"۔ زہیر بن القین نے کہا۔ "بخدا، اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیر دیا جائے تو میں آپ کی رفاقت سے منہ نہ موڑونگا"

جب محفل وفا کی گرمجوشیاں ختم ہو چکیں تو نماز کی صفیں آراستہ ہوئیں۔ حسینؓ اور رفیقانِ حسینؓ ساری رات نماز، استغفار، قرآن خوانی اور دعا و تضرع میں مصروف رہے مگر دشمن کی بیقراری کا عالم کچھ اور تھا۔ اُن کے تیغ بکف سوار، رات بھر لشکرِ حسینؓ کے گرد چکر لگاتے رہے۔

حضرت امام کا خطبہ

جمعہ یا ہفتہ کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج کو لے کر نکلا۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں اور خیموں کے گرد آگ جلائی۔ لشکر مظلوم میں ۴۰ پیدل اور ۳۲ سوار یعنی کل ۷۲ آدمی موجود تھے۔ شمر بن الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا سامنے آیا اور کہنے لگا۔ "اے حسینؓ! تُو نے قیامت سے پہلے ہی آگ قبول کر لی ہے"۔ مسلم بن عوسجہ نے اس پر تیر سے وار کرنا چاہا مگر امام عادلؓ نے فرمایا۔ "نہیں! میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا"۔

جب دشمن کی فوج نے پیش قدمی کی تو تاجدارِ صبر و استقامت اُن کے سامنے آئے اور بلند آواز سے یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو، مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنے عذر بیان کرنے دو، اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اُسے قبول کر سکو تو تمہارے لئے خوش قسمتی کا باعث ہوگا۔ ورنہ مجھے کسی بات سے انکار نہیں ہے۔ تم اور تمہارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے"۔

آپ کے اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدتِ تاثر سے بیقرار ہو گئیں۔ اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے عباسؓ اور علی اکبرؓ کو بھیجا تاکہ انہیں خاموش کرائیں۔ اور کہا۔ "ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے"۔ پھر آپ نے تقریر شروع کی:۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا، ان کے چچیرے بھائی علیؓ کا فرزند نہیں ہوں۔؟ کیا سید الشہداء امیر حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے رسول اللہؐ کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا؟ سید الشباب اھل الجنۃ (جوانانِ جنت کے سردار) اگر میرا بیان سچا ہے۔ اور ضرور سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر اب تک جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو۔ انس بن مالک سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں

نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبیؐ کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ "اے شیث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل آگئے، زمین سرسبز ہو گئی، نہریں ابل پڑیں۔ آپ اگر آئیں گے تو اپنی جرار فوج کے پاس آئیں گے"۔ اس پر ان لوگوں نے انکار کیا تو آپ چلا اٹھے اور فرمایا۔ "واللہ! تم ہی نے لکھا تھا"۔ آخر میں آپ نے کہا۔ "اگر تم مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑ دو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"۔ قیس بن الاشعث نے کہا۔ "آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں"۔ فرمایا:

"واللہ! میں ذلت کے ساتھ کبھی اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا"۔

جس وقت ابن سعد نے فوج کو حرکت دی۔ اور حرؓ اس سے کٹ کر علیحدہ ہونے لگا۔ تو مہاجرین اوس نے اس سے کہا: "مجھے تمہاری حالت مشتبہ معلوم ہوتی ہے"۔ حرؓ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے جنت منتخب کر لی ہے۔ اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"۔ یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسینؓ میں پہنچ گیا اور نہایت عاجزی اور انکساری سے معافی چاہی۔ آپ نے معاف فرما دیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے کمان اٹھائی اور لشکرِ حسینؓ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا۔ "گواہ رہو! سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔ مختصر سی مبارزت طلبی کے بعد عمر بن سعد کی فوج لشکرِ حسینؓ پر ٹوٹ پڑی۔ اور ہر طرف جنگ کا میدان گرم ہو گیا اور خون کے فوارے اچھلنے لگے حضرت امامؓ کے شیر دل سپاہی جس طرف رخ کرتے تھے۔ صفوں کو الٹ دیتے تھے مگر کثیر التعداد دشمن ذرا سی دیر میں پھر ہجوم کر آتا۔ چند گھنٹوں میں لشکرِ حسینؓ کے بڑے بڑے نامور سپہ سالار مسلم بن عوسجہ، حرؓ، حبیب بن مظاہر شہید ہو گئے۔ جب دشمن کے سپاہی حضرت حسینؓ کے قریب پہنچے تو نماز کا وقت قریب تھا۔ آپ نے ابو ثمامہ سے فرمایا۔ "دشمنوں سے کہو کہ ہمیں نماز کی مہلت دیں"۔ مگر دشمن نے یہ درخواست منظور نہ کی اور لڑائی بدستور جاری رہی۔

حضرت امامؓ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے قتل ہو چکے تو بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری آئی۔ سب سے پہلے علی اکبرؓ شہید ہوئے (راوی کہتا ہے) اس وقت خیمہ سے ایک بے قرار عورت نہایت تیزی سے نکلی۔ یہ اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج۔ وہ چلا رہی تھی۔ "آہ بھائی، آہ بھتیجے!" یہ زینبؓ بنت فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ تھیں۔ حضرت حسینؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے۔ پھر علی اکبرؓ کی لاش اٹھائی اور خیمے کے سامنے لا کر رکھ دی۔ اس کے بعد ایک اور جوانِ رعنا جس کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ حسین تھا۔ میدانِ جنگ میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح آیا اور شہید ہو گیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حسینؓ کو اس نوجوان کے سرہانے کھڑا دیکھا نوعمر لڑکا ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور حضرت امامؓ فرما رہے تھے: "ان کے لئے ہلاکت ہو، جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ یہ قیامت کے دن تیرے نانا کو کیا جواب دیں گے؟" آپ نے لاش کو گود میں لے کر اٹھایا۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینے سے ملا ہوا تھا۔ اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ آپ نے اس لاش کو علی اکبرؓ کے پہلو میں لا کر لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے پوچھا "یہ کون ہے؟" جواب ملا۔ "قاسمؓ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب"۔

اس وقت حضرت حسینؓ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ آپ نے اسے گود میں اٹھایا اس کے کان میں اذان دے رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے اس تیر کو حلق سے نکالا، خون سے چلو بھرا اور اس کے جسم پر ملتے ہوئے فرمایا۔ "واللہ! تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے بھی زیادہ عزیز ہے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں"۔ "اے خدا! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے"۔

جب اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت ایک ایک کر کے شہید ہو چکے تو حضرت سید الشہداء کی باری آئی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے اور دشمن اگرچہ یلغار کئے چلے آتے تھے مگر امام معصوم و مظلومؓ پر کسی کو وار کرنے کی جرأت نہ تھی اور ہر شخص آرزومند تھا کہ قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے۔ اس وقت شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کیا اور ظالموں نے آگے بڑھ کر جگر گوشۂ بتولؓ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت خیمۂ اہل بیت سے ایک معصوم بچہ لکڑی لے کر میدان جنگ کی طرف دوڑا۔ حضرت امامؓ نے آواز دی "بچے کو روکو" ہر چند حضرت زینبؓ نے اسے پکڑا مگر اس نے زور کر کے اپنے کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اٹھائی تھی۔ لڑکے نے پکار کر کہا "او ظالم! میرے چچا کو قتل کرے گا؟" اس آواز پر وہ تلوار جو حضرت سید الشہداء پر اٹھی تھی، معصوم بچے پر گری، اس نے ہاتھ سے روکی، ہاتھ کٹ گیا۔ مگر ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ امامؓ نے اس کو سینے سے لگا لیا۔ اور فرمایا۔ "بیٹا! صبر کر اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے نیکوکار بزرگوں تک پہنچا دے گا"۔

شہادتِ حسینؓ

اب دشمن کی تلواریں حضرت حسینؓ کی طرف جھکیں اور وہ شیر دل بہادر تیغ بکف دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس شجاعت، پامردی اور ثابت قدمی سے لڑا کہ دنیا میں استقلال جہاد کا نام ہمیشہ کے لئے روشن ہو گیا۔ حضرت امامؓ تیغ بکف جس طرف نکل جاتے تھے۔ صفوں کی صفیں الٹ جاتی تھیں۔ آخر وقت میں حضرت زینبؓ نے ایک دردناک فریاد کی۔ آپ کے الفاظ اس قدر غم انگیز تھے کہ خود ابن سعد بھی جو اس وقت امام مظلوم کے قریب کھڑا تھا بے اختیار رونے لگا۔ امام مظلومؓ لڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ لوگو! تم ایک ایسے شخص کو قتل کر رہے ہو جس کے بعد کوئی دوسرا قتل، خدا کی اس قدر ناراضگی کا باعث نہ ہو گا۔ خدا تم پر عذاب بھیجے گا اور تمہارے ظلم کی یہ سزا ملے گی کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر تباہ ہو جاؤ گے۔ حضرت امامؓ کی حالت لحظہ بہ لحظہ کمزور ہو رہی تھی۔ تمام بدن زخموں سے چھلنی تھا آپ تشنگی کی بیتابی میں آبِ فرات کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک دشمن کا تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ تشنہ لب حسینؓ نے حلق سے تیر کھینچا۔ پھر اپنے ہاتھ جو پانی کے لئے بیتاب تھے منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور فرمایا۔ "الٰہی! میری شکایت تجھی سے ہے۔ دیکھ! تیرے رسولؐ کے نواسہ سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے"۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کی باگ اپنے خیمہ کی طرف موڑی مگر دشمنوں نے راستہ روک لیا۔ امامؓ نے

محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ اس وقت آپ نے شمر کے سامنے اپنی آخری آرزو کا اظہار فرمایا "میرے خیمے کو اپنے جاہل اور اوباش فوجیوں سے محفوظ رکھنا"۔ شمر نے اس کا وعدہ کیا۔ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو اس سے بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر کوئی شخص جگر گوشۂ رسولؐ کا خون اپنے ذمہ نہ لینا چاہتا تھا۔ اب شمر بن ذی الجوشن چلایا اور زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر آپ کے دائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری آپ کمزوری سے لڑکھڑائے تو سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے"۔ وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ اب سنان بن انس خود دانت پیس کر اُترا اور ایک وار میں سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس وقت شہید کربلاؓ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؓ کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب یہ تقدیر بھی امام مظلوم کے جسد پاک پر پوری ہوئی۔ دس "شہسواروں" نے گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک کو روند ڈالا۔ اس جنگ میں حضرت حسینؓ کے بہتّر آدمی اور کوفی فوج کے ۸۸ آدمی مقتول ہوئے۔

شہادت کے بعد

حضرت زینبؓ نے مظلوم کربلاؓ اور ان کے عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو تڑپ گئیں اور بے اختیار فریاد کرنے لگیں "اے محمدؐ! یہ دیکھ، حسینؓ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے، تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے تیری بیٹیاں قیدی ہیں۔ اور تیری اولاد مقتول ہے اور ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہے"۔

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا۔ تمام مقتولوں کے سر کاٹ کر ساتھ لے لئے گئے۔ جب مظلوم کربلاؓ کا کاسۂ سر ابن زیاد کے روبرو پیش ہُوا تو مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ اس وقت ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس نے امام مظلوم کے لبوں پر چھڑی ماری اور جب بار بار یہ حرکت کی تو زید بن ارقم جو رسول اللہؐ کے صحابی تھے زار زار رونے لگے اور چلّا اُٹھے "قسم خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے اور عرب کی غلامی اور ذلّت کا ماتم کرتے ہوئے مجلس سے نکل گئے۔

یزید کی پشیمانیاں

ابن زیاد نے حضرت سید الشہداءؓ کا سر ایک بانس پر نصب کیا اور اہل بیت کے معصوم اور مظلوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ دمشق میں یزید کے پاس بھیج دیا۔ جب یزید نے میدان کربلا کے دردناک واقعات سنے تو وہ رو پڑا اور کہنے لگا۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگذر کرتا۔ اللہ تعالےٰ حسینؓ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے"۔

(ابن جریر، کامل، تاریخ کبیر)

شام کے وقت یزید نے اہل بیت کو اپنے سرداروں کی مجلس میں بلایا اور مشورہ کیا۔ نعمان بن بشیر نے کہا۔ ان کے ساتھ وہی سلوک کیجئے۔ جو رسول اللہؐ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے کہا "اے یزید! یہ رسول اللہؐ کی لڑکیاں ہیں"۔ اس نسبت کے ذکر سے یزید اور اس کے درباری متاثر ہوئے اور آنکھوں سے خود بخود آنسو بہہ نکلے۔

اس اثنا میں واقعات کی خبر یزید کے حرم سرا میں پہنچی۔ اور ہند بنت عبداللہ (یزید کی بیوی) منہ پر نقاب ڈال کر باہر نکل آئی اور کہا۔ "امیرالمومنین! کیا حسینؓ بن فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ کا سر آیا ہے؟" یزید نے کہا۔ ہاں، تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہؐ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی کہ انہیں قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے۔ جب اہل بیت کی خواتین، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں اور خاندان معاویہ کی عورتوں نے ان کے حال کو دیکھا تو وہ بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

مظلوم کربلاؓ کے گھر والے جب تک یزید کے ہاں ٹھہرے رہے۔ وہ بارہا اپنے کئے پر "پشیمان" ہوتا رہا۔ اور ابن زیاد پر لعنت بھیجتا رہا۔ حضرت سکینہ کہا کرتی تھیں "میں نے کوئی ناشکرا انسان، یزید سے اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔

چند روز کے بعد یزید نے حضرت سیّد الشہداء کے اہل بیت کو مدینہ کی طرف رخصت کیا۔ محافظ نے راستے میں اس مصیبت زدہ قافلے سے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ جب منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت زینبؓ (بنت علیؓ) اور حضرت فاطمہؓ (بنت حسینؓ) نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا۔ "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے ہمارے پاس کچھ نہیں کہ تمہیں دیں"۔ محافظ نے زیور واپس کر دئیے اور کہا۔ "واللہ! میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری تھی"۔

یہ کاروان مظلومی جب مدینہ میں داخل ہُوا تو تمام شہر پر ماتم کی مایوسی چھا گئی۔ اور بنی ہاشم کی خاتونیں روتیں اور بین کرتیں گھروں سے نکل پڑیں۔ اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وبارک وسلم

جوانانِ اسلام سے خطاب

برادرانِ ملت! آپ واقعات پر نظر ڈالیں۔ سبحان اللہ! کس قدر عظیم الشان زندگی ہے اور کس قدر عظیم الشان موت ہے؟ ایک کمزوریوں سے پاک زندگی اور ایک قوتوں سے لبریز موت، ہاں! یہی غیر فانی زندگی اور لازوال موت، جوانانِ اسلام کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

ایک مجاہد دین کے راستے میں جس قدر بھی مادی اور روحانی خطرے اور مصائب و نوائب کے دلگداز دَور آ سکتے ہیں۔ حضرت سید الشہداء نے مکہ سے کربلا تک کے سفر میں ان سب کو حل کر دیا ہے۔ امام مظلوم کی قربانی، ایک انسانی وجود کی قربانی نہیں۔ بلکہ قربانیوں کی پوری کائنات ہے جس طرح انبیائے سلف کے تمام محامد محاسن ایک مرکز پر سمٹ کر حضرت رحمۃ اللعالمینؐ کی ذات میں جمع ہوئے۔ اسی طرح ایثار کے تمام مراحل اور قربانی کے تمام حقائق حضرت حسینؓ کی ذات میں جمع ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف اسلام کے لئے جس قدر تکلیفیں اٹھائیں وہ کفار اور مشرکین کی طرف سے تھیں۔ جب حضور نے اپنے بھیجنے والے کی طرف معاودت فرمائی تو اسلام کی شہنشاہی ختم ہو چکی تھی۔ گو یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس واقعہ کے ٹھیک تیس برس بعد، یہ شہنشاہی کفار و مشرکین کے ہاتھ سے نہیں بلکہ مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے لُٹنے والی ہے۔ اور جبر و استبداد کی وہ کڑیاں جو نبیٔ امیؐ کی محنت سے کٹ چکی تھیں۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے اُجڑنے والی اور اسلام ہی کے قدموں میں ڈالی جانے والی ہیں۔ پس اس وقت جب کہ کائناتِ عالم کا یہ بڑا فساد رونما ہوا۔ حضرت حسینؓ کو جو رسول اللہؐ کے خون کا آخری قطرہ تھے میدان میں بھیجا گیا تاکہ اسلام کی مصیبت کا یہ آخری ورثہ بھی خاندانِ رسولؐ ہی میں تقسیم ہو جائے۔

اے جوانانِ اسلام! حضرت حسینؓ کا نقش قدم تلاش کرو۔ ان کے وعدوں کی استواری ایک زندگی ہے، ان کے عزم کی استقامت ایک مثال ہے

ان کی مصالحت کے لئے ہر وقت آرزو مند رہنا اور بلا تامل صلح کے لئے ہاتھ بڑھا دینا، ایک اسوہ ہے، ان کی تشنہ لبی اور مظلومی ایک نمونہ ہے اے جوانان اسلام! تم خدمت اسلام کے لئے سوسائٹیاں بناؤگے، ہاں رفقائے حسینؓ سے دوستی کا معیار سیکھو اور کٹ مرنے والے اور میدان میں کھڑے رہ کر جان دینے والے دوست پیدا کرو تم حمایت دین میں تقریریں کروگے۔ حضرت حسینؓ کے خطبوں سے صداقت بیان کی تعلیم لو۔ اور سمجھ لو کہ اسلام کی خدمت وحفاظت کی آخری منزل یاران وفا کی ہم نشینی اور خطبات رنگین کی گرم جولانی نہیں بلکہ میدان کرب و بلا کی دعوت دلگداز کا قبول کرنا ہے۔ اے جوانان اسلام! جب میدان میں نکلو تو حسینؓ اور رفقائے حسینؓ کی طرح دشمن کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو۔ میدان جنگ میں اللہ کو یاد کرو۔ نماز کو جنگ پر ترجیح دو۔ دشمن پر پہلے حملہ نہ کرو۔ تلواروں کو بے نیام کرنے سے پہلے دین حق کی تبلیغ کرو اور جب تلوار بے نیام ہو جائے تو فتح یا شہادت سے پہلے اسے نیام میں نہ ڈالو۔

اے جوانان اسلام! سید الشہداء حسینؓ کا جہاد ہمارے لئے ایک دائمی اسوہ حسنہ ہے وہ اس مظلومیت کے علمبردار ہیں جس سے حضور کی مدنی زندگی مرصع ہے جب بھی فرزندان اسلام پر استبداد اور غلامی کا ابر غلیظ مسلط ہو گا۔ ابن بتولؓ کا اسوہ حسنہ ان کی رہنمائی کریگا حضرت امامؓ کے طریق کار اور لائحہ عمل پر ایک نظر ڈالو کہ انہوں نے کس طرح احیائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا؟ جب اسلام پر مصیبت آئی تو انہوں نے کانفرنسیں نہیں بلائیں۔ اشتہار نہیں شائع کیے، تقریریں نہیں کیں، رفقاء کی قلت کا بہانہ نہیں کیا ریزولیوشنوں کی پناہ نہیں لی۔ اہل و عیال کی بد انجامی کے لئے متردد نہیں ہوئے۔ وہ امر حق پر کھڑے ہو گئے اور اس سے بالکل بے نیاز تھے کہ کوئی دوسرا انسان، ان کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں۔ وہ آخری سانس تک اپنے مقصد کے لئے لڑتے رہے اور اس وقت جبکہ یہ عظیم الشان قربانی قبول ہوئی۔ زندگی کا نام روشن ہو گیا۔ ارض و سما میں اسلام کی فتحمندی کے ڈنکے بج گئے۔ سید الشہداء حسینؓ کے خون سے صرف میدان کربلا کے ذروں ہی نے غسل نہیں کیا بلکہ تمام کائنات نکھر گئی۔ آؤ ہم سید الشہداء حسینؓ کا نقش قدم تلاش کریں اس لئے کہ اسلام پھر انہی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے۔ آؤ! ہم سینہ کوبی کا رخ، ہندوستان کی طرف پھیر دیں۔ اس لئے کہ اسلام زندہ ہونے کے لئے ایک نئی کربلا کا طلب گار ہے۔ آؤ! ہم دنیائے فانی اور اس کے جاہ و جلال کو حضرت امامؓ کی نظر سے دیکھیں۔ یاد رکھو کہ نہ کوئی قوم ایثار و قربانی کے بغیر عزت کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کوئی فرد ایثار قربانی کے بغیر زندگی کے ان سنجیدہ ترین فرائض سے سرخرو ہو سکتا ہے، جو خدا مذہب اور وطن کی طرف سے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ یٰا ایھا الذین امنو اصبروا وصابروا و رابطو واتقو اللہ لعلکم تفلحون۔

یادگار حسینؓ

ہم بیان کر چکے ہیں کہ فرزند ابراہیمؑ کی قربانی پر امت مسلمہ کی زندگی کی بنیاد رکھی گئی تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اس کی تکمیل ہوئی، لیکن اس تکمیل کے بعد جب یہ امت، ایک آخری خطرے میں گھر گئی تو فرزند رسولؐ کو قربانی کے لئے طلب کیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا تتمہ تھا حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے متعلق صاف طور پر یہ کہہ دیا گیا تھا۔

وترکنا علیہ فی الاٰخرین

ہم نے اس کی یادگار کو آنے والی نسلوں کے لئے باقی رکھا۔ اور ساتھ ہی یہ کہدیا:۔

وفدینٰہ بذبح عظیم اور ہم نے اس کو عظیم الشان قربانی عطا فرمائی۔

ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی زندگی کے فدیئے میں جو قربانی دی گئی اور جس کی طرف "ذبح عظیم" کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں صرف ایک مینڈھے کی قربانی نہیں ہو سکتی نہ تو ایک مینڈھے کی جان، حضرت اسمٰعیلؑ کی زندگی کا فدیہ قرار پا سکتی ہے اور نہ ایک حیوان کے قربان کرنے کو کسی حیثیت سے بھی "ذبح عظیم" کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے قربانی طلب کی گئی تھی تاکہ اس پر امت مسلمہ کی بنیاد رکھی جائے۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو پیش کیا، چونکہ حضرت اسمٰعیل کی نسل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے جو ابراہیمی امت کے آخری بانی تھے اس واسطے خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی روح کو قبول فرمایا اور حضرت اسمٰعیل کو بچا لیا اور فرمایا کہ ہم اسمٰعیل کی زندگی کے فدیہ میں ایک بڑی قربانی دیتے ہیں اور اس واقعہ یادگار کو آئندہ نسلوں میں باقی رکھتے ہیں۔ ذبح عظیم کے الفاظ حضرت حسینؓ کی شہادت تک وسعت حاصل کر سکتے ہیں۔ پس "وترکنا علیہ فی الاٰخرین" میں صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ ہی شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امام حسینؓ بھی شامل ہیں اور "عید قرباں" اسلام کی سب سے پہلی قربانی (جس کی صرف روح قبول کی گئی تھی) کی یادگار بھی ہے اور سب سے آخری قربانی (شہادت حسینؓ) کی یادگار بھی ہے، اور عید قربان کا خطبہ اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جبکہ وہ ابراہیمؑ اور فرزند ابراہیمؑ کی قربانی سے شروع ہو اور محمد اور فرزند محمد کی قربانی پر ختم کیا جائے۔

عید قربان کا فرض یہ ہے کہ وہ ہر مسلمان کے سامنے اسلامی قربانی کا کامل ترین اسوہ پیش کرے لیکن اسوہ کامل، نہ تو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہے اور نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی۔ میں اس کتاب کے شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ایک اجمال ہیں اور حضرت محمد اس اجمال کی تفصیل ہیں، حضرت اسمٰعیل کی زندگی، اسلامی قربانی کا اسوۂ کامل نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ عملاً شہید نہیں ہوئے۔ آپ شہادت کا عزم ہیں۔ عمل نہیں ہیں۔ مگر حضرت حسینؓ شہادت کا عزم بھی ہیں اور عمل بھی ہیں اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی قربانی کا وہ اسوۂ کامل جو امت مسلمہ کی پیدائش، تکمیل اور زوال، تینوں حالتوں پر ہوئی ہے۔ جس کے اولین خاکے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ذات میں جمع ہیں۔ اور جس کے آخری اور تفصیلی نمونے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور حضرت امام حسینؓ کی زندگیاں پیش کر رہی ہیں۔ "ذبح عظیم" سے مراد حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہے اور عید قربان صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی ہی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ دعائے خلیلؑ یعنی حضرت محمد اور فدیۂ حیات اسمٰعیلؑ ہی کی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ دعائے خلیل یعنی حضرت محمدؐ اور فدیۂ حیات اسمٰعیل یعنی امام حسینؓ کی یادگار بھی ہے۔ اگر اس راز کو سمجھ لیا جاتا کہ شہادت حسینؓ، قربانی اسمٰعیل کا تتمہ ہے اور ترکنا علیہ فی الاٰخرین (کی یادگار) میں دونوں واقعات شامل ہیں تو امت مسلمہ دو غلطیوں سے بچی رہتی۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس نے اسمٰعیلؑ اور حسینؓ میں فرق ڈالا اور حضرت حسینؓ کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ سے الگ یادگار بنائی اور اسلامی قربانی کے نظام (عید قرباں) سے علیحدہ ہو کر، تعزیہ داری شروع کر دی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت اسلام کے لئے زندگی تھی اور امت کے لئے اسوہ، لیکن امت نے اپنی زندگی اور اسوۂ زندگی کا ماتم شروع کر دیا اور وہ اس طرح مقام شہادت سے گر گئی۔

اسلامی قربانی کے نظام سے علیحدہ ہو جانے اور یادگارِ حسینؓ کے خیال کو اس کے قدرتی اور شرعی رشتے سے جدا کر لینے کا دردناک نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ یہ کس قدر شرمناک ہے کہ حضرت حسینؓ تو امت مسلمہ کے سامنے اسوۂ شہادت پیش کرتے ہیں اور امت مسلمہ نہایت ہی بزدلی سے اس اسوۂ حسنہ کا ماتم شروع کر دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی مردانہ وار شہادت اور اس شہادت کی یادگار (تعزیہ داری) میں ذرا بھی اخلاقی یا روحانی نسبت موجود نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا سینہ شق ہو جاتا ہے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ ایسے مجاہد و موحد کے لئے دنیا میں ایک ایسی حقیر اور خلافِ عقل یادگار قائم کی گئی ہے کہ تاریخ عقل و خرد میں اس کی ایک مثال بھی موجود نہیں۔ حضرت امامؓ کی یادگار یہ ہے کہ:-

"محرم کی پہلی کو کاغذ اور بانس کی تیلیوں سے ایک ڈھانچہ بنا لیا جاتا ہے، نویں اور دسویں دن اس ڈھانچہ میں کرامت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے سامنے ایک گھوڑا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور سینکڑوں اور ہزاروں آدمی جن میں نوے فیصدی جاہل اور بے نماز ہوتے ہیں، منتیں اتارتے ہیں اور رونا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں، دسویں کی شام کو اس ڈھانچ سے دفعتاً روحانیت سلب ہو جاتی ہے۔ لوگ اسے ایک قبرستان یا ویرانے میں ڈال دیتے ہیں اور پھر سارا سال اسے کوئی نہیں پوچھتا۔"

مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ حضرت حسینؓ کی آخر یہ کیا یادگار ہے؟ کیا اسوۂ حسینؓ کے یہی معنی تھے کہ کاغذ اور بانس کی تیلیوں کو بازاروں میں پھرایا جائے اور قوم میں بزدلی شرک، فضول خرچی اور مقدمہ بازی کی عادت ڈالی جائے؟ مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ دلدل کی کیا حقیقت ہے؟ یہ کس قدر مسخرگی ہے کہ ہم آج ایک ٹٹو پر گھاس لادتے ہیں اور دوسرے دن اس کو مقدس سمجھ لیتے ہیں اور منتیں چڑھاتے ہیں۔ دنیا بھر کی مہذب قومیں ہمارے اس فعل پر ہنستی ہیں اور کہتی ہیں کہ بت پرستی اس سے کیا بری ہے۔ کیا مسلمانوں کو سمجھ نہیں ہے؟

میری زندگی میں کئی دفعہ یہ اتفاق ہوا ہے کہ میں نے کسی ہندو دوست کو جب بت پرست

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

بقیہ صفحہ ۱۷ حضرت شیخ التفسیرؒ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ شریعت کی بھی تعلیم دی۔ مولانا سندھیؒ کے فرمانے پر حضرتؒ نے قرآن مجید کی اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔

تیسرا انعام

حضرت مولانا سندھیؒ کی سرپرستی

حضرت شیخ التفسیرؒ پر تیسرے انعام ربانی کا ذریعہ بن گئی۔ ان کی وساطت سے آپ حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹیؒ اور حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں سے بیعت کا تعلق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے یہ دونوں مربی میرے کاسۂ گدائی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیا کرتے تھے۔ حضرت امروٹیؒ جلالی مزاج تھے اور حضرت دین پوریؒ جمالی مزاج تھے۔ دونوں حضرات حافظ محمد صدیق صاحبؒ بھرچونڈی شریف کے خلیفہ تھے۔ اور اپنے وقت میں اکابر اولیاء کرام میں سے تھے۔ حضرت امروٹیؒ انگریز کے راج میں بلا لائسنس بندوقیں اور گھوڑے رکھا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیزیں جہاد کے لئے رکھی ہیں اور جہاد انگریزوں سے کروں گا۔ انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ایک گولی پہلے چلا دو۔ پھر اگر سندھ سے نکال کر باہر نہ پھینک دوں تو سید کا بیٹا نہ کہنا۔ ایک بار تو آپ نے اعلانِ جہاد کر بھی دیا۔ مگر انگریز ٹل گیا۔ اس کے برعکس حضرت دین پوریؒ جمالی مزاج تھے۔ ایک زمیندار ساری عمر آپ کو ستاتا رہا لیکن آپ ہمیشہ اس پر شفقت فرماتے رہے۔ ہر بات پر یہی فرماتے۔ "جنویں مولا دی مرضی" (جس طرح مولا کی مرضی) ان دونوں حضرات کے زیر سایہ رہ کر حضرت شیخ التفسیرؒ کی روحانی تربیت ہوئی تھی۔

چوتھا انعام

حضرتؒ پر چوتھا انعام یہ تھا کہ آپ کو صالح اولاد عطا فرمائی گئی۔ آپ کی نرینہ اولاد میں سے تین صاحبزادے بلوغت کی عمر کو پہنچے۔ ماشاء اللہ تینوں عالمِ دین ہیں۔ ان میں سے دو حافظ قرآن ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مدظلہ العالی چودہ سال سے ارض مقدس میں قیام پذیر ہیں۔ ہر سال حج کے علاوہ ان کو مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حرم کعبہ میں درس کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ حضرتؒ اکثر اس انعام باری تعالیٰ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے میری اولاد کو علمِ دین حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر میں ان کو علمِ دین پڑھانا چاہتا اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کے پڑھنے کی توفیق مرحمت نہ فرماتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔

پانچواں انعام

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مخلص ساتھی عطا فرمائے۔ جن بزرگوں کے ساتھ مل کر آپ نے انجمن خدام الدین کی بنیاد رکھی تھی وہ سب کے سب مخلص تھے۔ ان میں سے ملک میراں بخش صاحب، حاجی عبداللہ صاحب اور میاں غلام حسین صاحب کا تو آپ خاص طور پر ذکرِ خیر فرمایا کرتے تھے۔ میاں غلام حسین صاحب سے حضرتؒ نے ان کے صاحبزادے حافظ عنایت اللہ صاحب مرحوم کو تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے مانگ کر لیا تھا۔ سعادتمند بیٹے نے باپ کے عہد کو مرتے دم تک نبھایا۔ وہ نہ صرف ہر سال حسبۃً للہ تراویح میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ بلکہ تبرک بھی اپنی کمائی سے لا کر تقسیم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام بھی ہمیشہ مخلص ہی عطا فرمائے۔ سالہا سال تک حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم امامت کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد قاری محمد ابراہیم صاحب نے جس خلوص کے ساتھ یہ خدمت انجام دی وہ انہی کا حصہ تھا۔ ان کے علاوہ ناظم مسجد بابو کرم دین صاحب ریٹائرڈ گارڈ اور دفتر کے نگران قاضی مرید حسین صاحب ریٹائرڈ سب پوسٹ ماسٹر کے اسمائے گرامی بھی اس فہرست میں نمایاں نظر آتے ہیں ان سب حضرات کو اور باقی مسلمانوں کو بھی جنہوں نے حضرتؒ کے ساتھ مل کر خدمتِ دین میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

(باقی آئندہ)

چوہدری عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔اے۔ایل ایل۔بی

حضرت شیخ التفسیرؒ میری نظر میں

تمہید

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی صاحبِ فن کے کمالات کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو خود اس فن میں مہارت تامہ حاصل ہو۔ اس حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے۔ ع

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری

یعنی سونے کی قدر سنار اور موتی کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ کسی اللہ والے نے اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے

ع ولی را ولی مے شناسد

یعنی ولی اللہ کو ولی اللہ ہی پہچانتا ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے چند مثالیں پیش کرنی ضروری ہیں۔ کسی بلند پایہ شاعر کے کلام کی داد صحیح معنوں میں شاعر ہی دے سکتا ہے غیر شاعر تو رسمی طور پر اس کی تحسین میں شامل ہو جائے گا۔ مرزا غالب نے مومن کا جب یہ شعر سنا تو اس کی بہت تعریف کی اور کہا "کاش مومن میرا سارا دیوان مجھ سے لے لیتا اور یہ شعر مجھ کو دے دیتا۔ مومن کا وہ شعر ملاحظہ ہو ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اسلامی تاریخ میں بھی ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنی ساری عمر کی نیکیاں صدیق اکبرؓ کی ایک دن اور ایک رات کی نیکیوں کے عوض دینے کو تیار تھے۔ رات وہ تھی جو صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غارِ ثور میں گذاری تھی۔ اور دن وہ تھا۔ جب آپ تن تنہا مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے لئے جانے کو تیار ہو گئے تھے۔ موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون نے جو جادوگر جمع کئے تھے۔ ان کو موسیٰؑ کے معجزہ میں جو کمال نظر آیا فرعون اور اس کے درباری اس سے محروم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے۔ تو دارورسن کی ساری دھمکیاں ان کو راہِ راست سے نہ ہٹا سکیں۔

ایک انگریزی دان مسلمان اور ایک عالمِ دین کا موازنہ کرتے ہوئے ایک صاحب اس حقیقت کے متعلق رقم طراز ہیں :۔

"(انگریزی دان) عربی نہیں جانتے۔ اس لئے "عالمِ دین" کو کیسے جان سکتے ہیں وہ (انگریزی دان) اسلامی روایات کی روح سے ناواقف ہیں۔ اس لئے (عالمِ دین) کی فطرت میں عشقِ اسلام کی جو تڑپتی ہوئی چنگاریاں ہیں۔ اسے کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی تربیت اور تعلیم یورپ میں ہوئی ہے۔ اس لئے مشرق کی گود میں پلے ہوئے اس "مردِ کامل" کے جوہر کو کیسے پہچان سکتے ہیں"۔

میری اور حضرت شیخ التفسیرؒ کی بھی یہی مثال ہے۔ میں نے کم و بیش تیس سال ان کی خدمت میں گذارے۔ لیکن ان کے کمالات کو نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ وہ ایک جید عالمِ دین تھے۔ میں انگریزی دان ہوں۔ اور علمِ دین سے کورا ہوں۔ وہ صاحبِ باطن تھے۔ میں دل کا اندھا ہوں۔

ولی اللہ

اپنی کوتاہ نظری کے باوجود میں حضرت شیخ التفسیرؒ کو ولی اللہ مانتا ہوں۔ اولیاءاللہ کے بے شمار مدارج ہیں۔ ان میں سے وہ کس درجہ پر فائز تھے؟ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ نہ میں مبالغہ آمیزی سے کام لے کر ان کے درجہ کو بڑھانے کی جرأت کرنے کو تیار ہوں اور نہ ان کے درجہ کو گھٹانے کی جسارت کر سکتا ہوں ولی اللہ کے متعلق ان کے درس، جمعہ کے خطبات اور مجالس ذکر کی تقاریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہ معصوم نہیں ہوتا۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ ولی اللہ کی اطاعت مشروط ہے نبی کی اطاعت غیر مشروط ہے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے۔ کہ ہم آنکھیں بند کر کے نبی کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ لیکن ولی اللہ کی اطاعت اس وقت تک کریں گے جب تک وہ ہمیں کتاب و سنت کے راستہ پر چلائے گا۔ اگر وہ اس سے خود ہٹ جائے گا۔ تو ہم اس کی اطاعت کرنی چھوڑ دیں گے۔

مجلس ذکر میں حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص صوفی اور قبلۂ عالم کہلائے آسمان پر اڑتا ہوا نظر آئے۔ لاکھوں مرید پیچھے لگا کر لائے۔ اگر اس کا کوئی فعل کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے۔ اس کی بیعت کرنا حرام ہے۔ اگر ہو جائے تو توڑنا فرضِ عین ہے۔ ورنہ وہ خود بھی جہنم میں جائے گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جائیگا۔

بیشمار انعامات

حضرتؒ پر اللہ تعالےٰ کے بے شمار انعامات تھے۔ ان سب کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں۔ میں صرف ان انعامات کا ذکر کرونگا جن کا تعلق کتاب و سنت کی اشاعت کے ساتھ ہے۔

پہلا انعام

حضرتؒ پر اللہ تعالےٰ کا پہلا انعام یہ تھا کہ ان کو نیک والدین کی گود نصیب ہوئی۔ آپ کے والد محترم شیخ حبیب اللہ صاحبؒ خود مشرف باسلام ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی والدین نے آپ کو محرر کر دیا تھا یعنی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ والدین کی نیت میں چونکہ خلوص تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریباً نصف صدی تک اشاعتِ دین کی توفیق عطا فرمائی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرا انعام

آپ پر اللہ تعالےٰ کا دوسرا انعام یہ تھا کہ جب آپ تھوڑی سی دنیوی تعلیم حاصل کر چکے تو دینی تعلیم کے لئے آپ کو حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ کے سپرد کر دیا گیا۔ مولانا سندھی جہاں ایک بلند پایہ عالم دین تھے وہاں وہ انقلابی لیڈر بھی تھے۔ مولانا سندھیؒ نے آپ کو درسِ نظامی کے علاوہ

(باقی صد ۱۶ پر)

بقیہ خطبہ صفحہ ۱۶ سے آگے

ثابت کرنا چاہا اور ظاہر کیا کہ مسلمانوں کا دامن اس قسم کی بت پرستی سے بالکل پاک ہے تو وہ فوراً تعزیہ داری کو سامنے لے آیا۔ اور کہنے لگا کہ مسلمان بھی کاغذوں، بانسوں، گھوڑوں اور قبروں کو پوجتے ہیں بلکہ بری طرح پوجتے ہیں۔ ہندو اپنے پتھروں کو خوشبو لگاتے ہیں اور مندروں میں عزت کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لیکن مسلمان اپنے تعزیوں اور گھوڑوں کو دو دن پوجتے ہیں اور تیسرے دن ان پر سواری لادنا شروع کر دیتے ہیں

اگر مشاہیر کی یادگاروں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قوم کے اندر مشاہیر کے اعمال کی اتباع کا جذبہ پیدا کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ تعزیہ داری کا ہر قدم اس مقصد کی کھلم کھلا مخالفت ہے جس کے لئے حضرت امام شہید ہوئے۔ تعزیہ داری مسلمانوں کو اسوۂ حسینؓ سے قریب نہیں کرتی۔ بلکہ اس سے دور لے جا رہی ہے۔ تعزیہ داری اسوۂ حسینؓ کی زندگی نہیں بلکہ موت ہے اور وقت آ گیا ہے کہ ایک لڑنے والی اور تلوار اٹھانے والی قوم بزدلوں کی طرح رونا دھونا اور فریاد کرنا موقوف کرے اور حضرت امام حسینؓ کی ایسی یادگار پیدا کرے جو ہر فرد ملت کو فرزند رسولؐ کی طرح میدان میں کھڑے رہ کر جان دینا سکھا دے۔

مسلمانو! مقام ابراہیمؑ کی طرف آؤ — حضرت حسینؓ اسی راہ کے مسافر ہیں۔ اٹھو اور عید قربان کے واعد، عالمگیر اور شرعی تیوہار میں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، محمدؐ اور حسینؓ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا نقش قدم تلاش کرو اور سمجھ لو کہ اسی میں ملت کی زندگی اور قرآن کی عظمت کا راز مضمر ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۹ - بچوں کا صفحہ

کر رہے تھے کہ اچانک اس ٹڈی دل فوج نے حملہ کر دیا۔ اور سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی زندہ بچ رہے جنہوں نے آپؐ کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ آپؐ کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا۔

اسی زمانے میں دو اور قبیلوں کے چند آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے قبیلے کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو انہیں اسلام کی باتیں سکھائیں۔ آپ نے دس آدمی ساتھ کر دئیے۔ راستے میں ان بے ایمانوں نے غداری کی۔ یکدم دو سو آدمی اس چھوٹی سی جماعت پر ٹوٹ پڑے۔ اور دو کے علاوہ سب کو شہید کر دیا۔ ان میں سے ایک حضرت خبیبؓ اور دوسرے حضرت زیدؓ تھے۔ یہ دونوں بیچنے کے لئے مکّہ لائے گئے۔ حضرت خبیبؓ نے اُحد کی لڑائی میں ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ اس کافر کے لڑکے نے آپؓ کو خرید لیا تاکہ آپ کو قتل کر کے اپنے باپ کا بدلہ لے۔ پھر انہیں گھر میں لے جا کر قید کر دیا اور کئی روز تک بھوکا رکھا۔ ایک دن گھر میں چھوٹا بچّہ چھری سے کھیل رہا تھا۔ حضرت خبیبؓ نے بچّے کو اٹھا لیا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر الگ رکھ دی اس بچّہ کی ماں نے جب دیکھا کہ بچّہ قیدی کی گود میں ہے اور چھری اس کے پاس رکھی ہوئی ہے تو وہ کانپ اٹھی۔ حضرت خبیبؓ نے کہا "کیا تیرا خیال ہے کہ مَیں بچّے کو مار ڈالوں گا۔ تجھے معلوم نہیں مَیں مسلمان ہوں۔ اور مسلمان ایسا ذلیل کام نہیں کر سکتا"۔

کچھ عرصہ کے بعد انہیں شہید کرنے کے لئے مکّے سے باہر لے گئے۔ جب سولی پر جانے لگے تو کسی نے کہا "اب بھی محمدؐ کے دین سے توبہ کر لو چھوڑ دئیے جاؤ گے" انہوں نے جواب دیا "جب اسلام ہی نہ رہا تو زندگی کس کام کی"۔

کافر نیزوں سے ان کا جسم چھیدنے لگے۔ ایک کافر نے ان کے جسم کو چھیدتے ہوئے کہا۔ اب تو چاہتے ہو گے کہ تم بچ جاؤ اور محمدؐ پھنس جائے"۔ یہ سن کر آپؓ نے نہایت جوش سے کہا۔

"خدا کی قسم! مَیں تو یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ میری جان بچانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے"۔

دوسرے بزرگ حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیّہ نے شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت ان سے بھی اسی قسم کے سوال پوچھے گئے مگر اللہ کے اس برگزیدہ بندے نے بھی اسی طرح کے جواب دئیے۔

عزیز بچو! حقیقت میں یہی لوگ سچے مسلمان تھے۔ جنہوں نے اسلام کی سرفرازی و کامرانی کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ اور ساری دنیا پر توحید کا بول بالا کر دیا اور اسلام کو ایک عالمی مذہب بنا دیا۔ ان کی اسی بےنظیر بہادری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

بچوں کا صفحہ

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

محمد اکرام الحق، گجرات

عزیز بچو! اسلام کے آغاز میں کفار نے جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں توحید پرستوں کو پہنچائیں ان کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان فدایانِ توحید کو شرک و بدعت سے اس قدر نفرت ہو چکی تھی۔ اور ان کے رگ و ریشہ میں اسلام و ایمان اس طرح پیوست ہو چکے تھے کہ انہوں نے خوشی خوشی ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور "احد" "احد" کا جو کلمہ ان کی زبان پر جاری تھا آخری دم تک جاری رہا۔

مشہور صحابی حضرت بلالؓ ایک سیاہ فام حبشی تھے۔ آپ امیّہ بن خلف کے غلام تھے جو اسلام کا سخت دشمن تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ حضرت بلالؓ مسلمان ہو گئے ہیں تو ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے لگا۔ سخت گرمی کے موسم میں ان کو دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لِٹا دیتا۔ پھر یہی نہیں بلکہ سینے پر پتھر کی سل رکھ دیتا تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ مگر اس توحید پرست پیکرِ صبر و استقلال کے منہ سے اس حالت میں بھی اللہؐ کے نام ہی کی آواز نکلتی امیّہ نے جب دیکھا کہ اس طرح بھی باز نہیں آتے تو شریر لڑکوں کو بُلا لاتا اور آپؓ کے گلے میں رسّی ڈال کر ان کے حوالے کر دیتا جو انہیں سارے شہر میں گھسیٹتے پھرتے مگر پھر بھی خدا کا یہ پیارا بندہ "احد" "احد" پکارتا رہتا خباب بن الارث بھی ایک غلام تھے۔

وہ مسلمان ہوئے تو ان کو بھی قریش نے طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیتے۔ اور جب تک کوئلے ٹھنڈے نہ ہو جاتے آپؓ کو وہیں لٹائے رکھتے اس سے کھال بالکل اتر گئی مگر آپؓ نے سچے دین سے منہ نہ موڑا۔

حضرت عمّار بن یاسرؓ بھی بہت بہادر انسان تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد قریش انہیں گرم ریت پہ لٹاتے اور مار مار کر بے ہوش کر دیتے۔ ان کی والدہ حضرت سمیّہ کو مسلمان ہونے کی یہ سزا ملی۔ کہ ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کر دیا۔ اسی طرح ان کے والد حضرت یاسرؓ کو اسلام لانے کے جرم میں اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان ہی تکلیفوں کے صدمہ سے انتقال فرما گئے مگر حضرت عمّارؓ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کے باوجود چٹان کی طرح اپنے عقیدے پر جمے رہے۔

ابو فکیہؓ صفوان بن امیّہ کے غلام تھے اس کو جب آپ کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو ان کے پَیر رسّی سے باندھ کر لوگوں سے کہا کہ انہیں گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹائیں۔ ایک دفعہ اس زور سے گلا دبایا کہ معلوم ہوا دم نکل گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپؓ کے سینے پر پتھر کی اتنی وزنی سل رکھ دی کہ زبان باہر نکل آئی۔

زنیرہ ایک لونڈی تھیں ان کو ابوجہل نے اس قدر مارا اور اتنی تکالیف دیں۔ کہ بے چاری روتے روتے اندھی ہو گئیں۔

اسی طرح ام عبیس اور نہدیہ (دونوں لونڈیاں تھیں)، کو بھی اسلام لانے کی وجہ سے بہت سخت سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

یہ لونڈی اور غلام تھے ان کا تو حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا ایسے ایسے لوگ بھی اس ظلم و ستم کا نشانہ بنے جن کا شمار معزز لوگوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کو خود ان کے چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذرؓ نے کعبے میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا تو کافروں نے اتنا مارا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ کے چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھوئیں کی دھونی دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کعبے میں ایک بار قرآن پڑھ رہے تھے۔ کافر ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو زخمی اور لہولہان کر دیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد بھی کفار مسلمانوں کو ایذا دینے سے باز نہ آئے اور انہوں نے دھوکے اور فریب سے کام لینا شروع کر دیا۔ وہ اسلام کے مبلغوں کو یہ کہہ کر ساتھ لے جاتے کہ ان سے تبلیغ کرائیں گے مگر راستے میں دھوکے سے قتل کر ڈالتے۔

نجد کے ایک قبیلے کا سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کچھ مسلمان میرے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیج دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے نجد والوں سے خطرہ ہے" اس نے کہا "میں ضامن ہوں"۔ آپؐ نے ستر صحابہؓ ساتھ بھیج دیے یہ لوگ نجد کے پاس ایک مقام پر ٹھہر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر نے غصہ میں آکر خط لے جانے والے کو قتل کر دیا اور ایک ٹڈی دل فوج اس چھوٹی سی نہتی جماعت پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دی۔ مسلمان اپنے خط کا انتظ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خدام الدین - لاہور

ایڈیٹر
عبیداللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بکس بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C.B.T.۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء